فہرست

	اس شمارے میں...	محمد بلال	۲
شذرات	امید ہے عید پر...	محمد بلال	۵
قرآنیات	البقرہ (۲: ۶۷-۷۳)	جاوید احمد غامدی	۷
معارفِ نبوی	صحابہ کے لیے بشارت۔ جنت کی کنجی۔ آخرت کی فکر	طالب محسن	۱۱
دین و دانش	قانون سیاست (۱)	جاوید احمد غامدی	۲۳
	پاک و ہند میں قرآنِ مجید کے فارسی تراجم	محمد سلیم خالد	۳۲
	غیر مسلم حکومت میں مسلم اقلیت کا دعوتی کردار	سید وصی مظہر ندوی	۴۰
یسئلون	متفرق سوالات	طالب محسن	۴۷
تبصرۂ کتب	’’اقوالِ حکمت‘‘	محمد بلال	۶۱
	’’دعوتِ ایمان‘‘	طالب محسن	۶۴
ادبیات	حمدِ ربِّ ذوالجلال	ضیاء الدین نعیم	۶۷
	غزل	جاوید احمد غامدی	۶۸

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اس شمارے میں...

دو برس پہلے ممتاز عالمِ دین مولانا سید ابوالحسن ندوی لاہور تشریف لائے۔ انھوں نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے بالکل صحیح سمجھا کہ محض سیاسی اور فوجی برتری سے کسی ملک کو مستقل طور پر غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ ہم سے ذہنی طور پر مرعوب ہو۔ اس کے لیے انھوں نے مستشرقین کو تیار کیا۔ بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین محض اپنے علمی ذوق کی بنا پر تحقیق وتصنیف کا کام نہیں کرتے۔ ان کے پیچھے درحقیقت سیاسی اور استعماری مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ تاریخ بتاتی ہے اور کھلی آنکھوں سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں مستشرقین کا ایک پورا لشکر تھا اور اب بھی ہے۔ یہ لشکر علمی طریقے سے مسلمانوں میں اسلام اور اسلام کے علم کلام کے بارے میں احساسِ کمتری پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس وقت امتِ مسلمہ کو یہ بہت بڑا خطرہ درپیش ہے کہ اس کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر احساسِ کمتری پیدا ہو رہا ہے۔

ندوی صاحب کی ان باتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مستشرقین کے اسلام کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک وشبہات کتنے خطرناک ہیں اور انھیں دور کرنا کس قدر اہم کام ہے۔ اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ انٹرنیٹ (Internet) کی دنیا میں بھی مستشرقین کا یہ لشکر اپنی پوری قوت کے ساتھ پہنچ چکا ہے اور اپنے شدید حملوں کا آغاز کر چکا ہے۔ اگر ہم مستشرقین کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لیں اور یہ رائے قائم کریں کہ وہ محض علمی ذوق کی بنا پر یہ کام کر رہے ہیں تب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ان کی کج فہمیاں لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔

''اشراق'' کی اس اشاعت کے سرِ ورق پر مدیر کے طور پر معز امجد صاحب کا نام موجود نہیں ہے۔ پچھلے دو برسوں سے معز امجد صاحب انٹرنیٹ پر مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ مختلف ممالک میں مقیم مسلمانوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے دینی سوالات کا جواب بھی دیتے ہیں۔ انٹرنیٹ کی بے پناہ اہمیت کے پیشِ نظر معز صاحب نے اس کے ذریعے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سے مثبت طور پر اسلام کا تعارف کرانے کا بھی ارادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ لٹریچر کی تیاری کے لیے ''دانش سرا'' کے زیرِ اہتمام ''دارالتصنیف'' کے نام سے جو شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ اس کی ذمہ داری بھی جاوید احمد صاحب غامدی نے انھیں ہی دی ہے۔ وہ انھی کاموں کے ساتھ خاص رہنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ''اشراق'' کی ادارت سے متعلق اب کوئی خدمت انجام دینا ان کے لیے ممکن نہیں رہا۔ ''اشراق'' کے لیے ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اپنی نئی ذمہ داریوں کو بھی وہ ان شاء اللہ اسی حسن وخوبی کے ساتھ پورا کریں گے۔ ''اشراق'' جاوید احمد صاحب غامدی کا ذاتی رسالہ ہے۔ انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی ادارت کے فرائض بھی اب وہ خود ہی انجام دیں گے۔

O

ہمارے دانش وروں میں یہ بحث اکثر و بیشتر ہوتی رہتی ہے کہ علامہ اقبال اور قائداعظم سیکولر تھے یا نہیں؟ دانش وروں کا ایک گروہ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ علامہ اقبال اور قائداعظم سیکولر تھے۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ ''سیکولر'' سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ شخصیات پاکستان کے ریاستی امور میں مذہب کی مداخلت کی قائل نہیں تھیں۔ ان شخصیات کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مذہب انسان کا انفرادی مسئلہ ہے۔

مذہبی دانش ور اس کے جواب میں یہ بات ثابت کرنے کی بھرپور سعی وکاوش کرتے ہیں کہ علامہ اقبال اور قائداعظم ہرگز سیکولر نہیں تھے۔ دانش وروں کا یہ گروہ اس پر مُصر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور قائداعظم تو پاکستان کو اسلام کی ایک تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے اور پاکستان کے ریاستی امور کو قرآن وسنت کا تابع رکھنے کے خواہش مند تھے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے ملک میں جس کی اکثریت مسلمان ہو اور جس کی حکومت بھی مسلمان ہو وہاں اس نوعیت کی بحث ایک سعی لاحاصل ہے۔ بالفرض علامہ اقبال یا قائداعظم سیکولر تھے تب بھی ہم مجبور ہیں کہ پاکستان میں سیکولرازم نافذ نہ کریں۔ اس لیے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو فرد کے پہلو بہ پہلو ریاست کے لیے بھی احکام دیتا ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اسلام کے ایک حصے کو مانیں اور ایک حصے کا انکار کر دیں۔ کسی شخص کی یہ بات کہ میں مسلمان ہوں مگر ریاست کے معاملات میں شریعت کی بالادستی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں، کسی طرح قابلِ فہم نہیں ہے۔

اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ایک نظام ہے۔ یہ بات بھی محلِ نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے

کہ اسلام کا کوئی نظام نہیں ہے۔ ریاست کے بارے میں اُس نے احکام ضرور دیے ہیں۔ یہ احکام ایسے ہیں کہ ان پر جب عمل کیا جائے گا اور ان کی جزوی تفصیلات طے کی جائیں گی تو ایک نظام آپ سے آپ بن جائے گا۔ اس بات کا بھی پورا امکان موجود ہے کہ کسی ملک کے مخصوص تمدنی حالات کے فرق کے باعث یہ نظام مختلف ممالک میں مختلف ہو۔ قانون کا فہم رکھنے والے یہ جانتے ہیں کہ بنیادی قانون میں یہ لچک کسی بھی قانون کی ایک بہت بڑی خوبی ہوتی ہے۔ غیر لچک دار بنیادی قوانین یا جزئیات کی حد تک جامد حتمی قوانین، تہذیب وتمدن کے معمولی فرق یا زمانے کے چند کروٹوں کے باعث بہت جلد ناقابل عمل ہو جاتے ہیں۔

اس وقت ''دین ودانش'' کے ذیل میں محترم جاوید احمد غامدی کی کتاب ''قانونِ سیاست'' کی پہلی قسط شائع کی گئی ہے۔ اوپر مذکور مباحث کے معاملے میں اس عنوان کے تحت شائع ہونے والی تحقیقات کے مطالعے سے امید ہے کہ قارئین کو صحیح نقطۂ نظر قائم کرنے میں آسانی ہو گی۔

اس کے علاوہ ''شذرات''، ''قرآنیات''، ''معارفِ نبوی''، ''مناجات''، ''یسئلون'' اور ''خیال وخامہ'' کے سلسلے حسبِ سابق موجود ہیں۔

ـــــ محمد بلال

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امید ہے عید پر.....

عید کا دن تھا۔ سیدہ عائشہ کے قریب ایک بچی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دف بجا کر کچھ گا رہی تھی۔ سیدہ عائشہ یہ سب کچھ سن رہی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا۔ آپ نے سیدہ کو اس سے منع نہیں کیا اور قریب ہی دوسری طرف رخ کر کے لیٹ گئے۔ اس دوران میں حضرت ابوبکر صدیق وہاں آئے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو اس پر سخت ناگواری کا اظہار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ بدلا اور حضرت ابوبکر کو ٹوکتے ہوئے فرمایا: بھائی، عید ہے..... انھیں کرنے دو۔ مگر اس کے باوجود سیدہ عائشہ نے اس بچی کو گھر سے بھیج دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے اندر جب خوشی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو وہ اپنا اظہار چاہتے ہیں۔ وہ انسان کو خوشی منانے پر مجبور کرتے ہیں۔ بصورت دیگر انسان بے قرار ہو جاتا اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ خوشی منانے سے انسان کے جذبات کو تسکین ملتی ہے اور اس کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔

اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ شاعری، موسیقی اور گائیکی کا امتزاج بھی وہ چیز ہے جس سے انسان کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے اس کی حسِ جمال بیدار ہو جاتی ہے۔ افسردگی، شگفتگی میں بدل جاتی ہے۔ پژمردگی، تازگی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اور خوشی کا موقع ہو تو خوشی کی کلیاں چٹکنے لگتی ہیں۔

ہر معاشرے کے خوشی منانے کے اپنے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں بالعموم عید پر نئے کپڑے پہن کر دوستوں اور رشتے داروں سے مل کر، اچھے اچھے کھانے پکا کر خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا، مگر پچھلے چند برسوں سے الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے سے عید پر موسیقی سن کر خوشی منانا بھی ہمارے تمدن کا ایک حصہ بنتا جا رہا ہے۔

اسلام ایک دینِ فطرت ہے۔ وہ انسان کے فطری تقاضوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا مگر اس بات کا تقاضا وہ بہرحال کرتا ہے کہ انسان اپنے ہر جذبے کے اظہار میں اس کے قائم کیے گئے حدود کا

لحاظ رکھے۔

رمضان المبارک اپنی برکتیں سمیٹ کر رخت سفر باندھ رہا ہے اور عید اپنی خوشیاں دامن میں لیے جلوہ افروز ہونے کو ہے۔ امید ہے عید پر موسیقی کے ذریعے سے خوشی منانے والے اس بات کا خیال رکھیں گے کہ جو شاعری وہ سن رہے ہیں، وہ غلاظت میں لتھڑی ہوئی نہ ہو، جس موسیقی سے وہ لطف اندوز ہو رہے ہیں وہ سفلی جذبات کو بھڑکانے والی نہ ہو، جس گائیکی سے وہ مسرور ہو رہے ہیں وہ بے ہودگی سے آلودہ نہ ہو اور جس ذریعے سے وہ یہ سب سن رہے ہیں اس کی آواز اتنی بلند نہ ہو، جو دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بن جائے۔

انسان معاشرے میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی خاص شخصیت کی موجودگی یا کسی خاص صورتِ حال یا کسی خاص ماحول کی وجہ سے ایک جائز چیز بھی ناموزوں ہو جاتی ہے۔ اوپر مذکور واقعہ میں سیدہ عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت ملنے کے باوجود بچی کو گھر سے جو بھیجا ہے تو اس میں حسنِ معاشرت کا یہی پہلو پوشیدہ ہے۔ امید ہے عید پر خوشی منانے کے مختلف طریقے اختیار کرتے ہوئے حسنِ معاشرت کا یہ پہلو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔

اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جو لوگ خوشی مناتے ہوئے حدود الٰہی کا خیال نہیں رکھتے، وہ اپنے آپ کو ابدی خوشیوں سے محروم کر لیتے ہیں اور خود کو اس رستے پر ڈال لیتے ہیں جس کے اختتام پر اندیشہ ہے کہ ان کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی۔

محمد بلال ـــــ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۱۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَۃً ؕ قَالُوۡۤا اَتَتَّخِذُنَا

اور[۱۷۵] یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ (خون پر قسمیں کھانے کے لیے[۱۷۶]) تم ایک گاے ذبح کرو[۱۷۷]۔ وہ کہنے لگے: کیا تم ہم سے مذاق کرتے

۱۷۵؎ یہ نقض عہد کی دوسری مثال ہے۔ اِس سے واضح ہے کہ شریعت الٰہی کے قبول کرنے میں بنی اسرائیل کی ذہنیت شروع ہی سے کیسی حیلہ جویانہ رہی ہے۔

۱۷۶؎ گائے کی اس قربانی کے بارے میں جس کا ذکر ان آیات میں ہوا ہے، آگے قرآن کے اشارات سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کو اِس کا حکم قسامہ، یعنی خون پر قسمیں کھانے کے لیے دیا گیا تھا۔ تورات میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے۔ استثنا باب ۲۱ میں ہے:

''اگر اِس ملک میں جسے خداوند تیرا خدا تجھ کو قبضہ کرنے کو دیتا ہے، کسی مقتول کی لاش میدان میں پڑی ہوئی ملے اور یہ معلوم نہ ہو کہ اُس کا قاتل کون ہے تو تیرے بزرگ اور قاضی نکل کر اُس مقتول کے گرداگرد کے شہروں کے فاصلے کو ناپیں اور جو شہر اُس مقتول کے سب سے زیادہ نزدیک ہو، اُس شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے کبھی کوئی کام نہ لیا گیا ہو اور نہ وہ جوئے میں جوتی گئی ہو اور اُس شہر کے بزرگ اِس بچھیا کو بہتے پانی کی وادی میں جس میں نہ ہل چلا ہو اور نہ کچھ بویا گیا ہو، لے جائیں اور وہاں اُس وادی میں اُس بچھیا کی گردن توڑ دیں۔ تب بنی لاوی جو کاہن ہیں، نزدیک آئیں کیونکہ خداوند تیرے خدا نے اُن کو

هُزُوًا - قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ r قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا
مَا هِيَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا
مَا تُؤْمَرُوْنَ s قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ t قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ

ہو؟[178] اُس نے کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اِس طرح کا جاہل بن جاؤں[179]۔ اُنھوں نے کہا: اچھا، اپنے رب کو ہمارے لیے پکارو کہ وہ ہمیں بتائے کہ گاے کیسی ہونی چاہیے۔ اُس نے کہا: وہ فرماتا ہے کہ گاے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، اِن کے بیچ کی میانہ ہو۔ اب جاؤ اور وہ کرو جس کا تمھیں حکم دیا جا رہا ہے[180]۔ بولے: اپنے رب کو ہمارے لیے پکارو کہ وہ ہم پر واضح کرے کہ اُس کا رنگ کیسا ہو۔ اُس نے کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ سنہری ہو[181]، شوخ رنگ[182]، ایسی کہ دیکھنے والوں کو خوش آ جائے۔ بولے: اپنے رب کو پکارو کہ اچھی طرح

چن لیا ہے کہ خداوند کی خدمت کریں اور اُس کے نام سے برکت دیا کریں اور اُن ہی کے کہنے کے مطابق ہر جھگڑے اور مار پیٹ کے مقدمے کا فیصلہ ہوا کرے۔ پھر اِس شہر کے سب بزرگ جو اُس مقتول کے سب سے نزدیک رہنے والے ہوں، اُس بچھیا کے اوپر جس کی گردن اُس وادی میں توڑی گئی، اپنے اپنے ہاتھ دھوئیں اور یوں کہیں کہ ہمارے ہاتھ سے یہ خون نہیں ہوا اور نہ یہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا ہے۔''
(۸-۱)

۱۷۷؎ اس حکم میں لفظ 'بقرۃ' جس طرح نکرہ استعمال ہوا ہے، اُس سے صاف واضح ہے کہ بنی اسرائیل اگر متوسط درجے کی کوئی سی گاے ذبح کر دیتے تو حکم کا منشا یقیناً پورا ہو جاتا، لیکن یہ اُن کا فساد مزاج تھا کہ اپنے سوالات سے اُنھوں نے اِس حکم کو نہایت مشکل بنا لیا۔

۱۷۸؎ یعنی قاتل تک پہنچنے کے لیے قسمیں لینے کا یہ طریقہ کیا ہے؟ اِس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید ہم سے مذاق کر رہے ہو؟

۱۷۹؎ اصل الفاظ ہیں: 'اعوذ باللّٰہ ان اکون من الجاھلین'۔ اِن میں 'جھل' کا لفظ علم کے بجاے حلم کے مقابل لفظ کے طور پر آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اِس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ دین کے معاملے میں کوئی احمقانہ بات کروں۔

۱۸۰؎ یعنی اِس قسم کے سوالات کر کے اپنے لیے تنگی پیدا نہ کرو اور کوئی سی گاے لے کر اُسے ذبح کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تَشٰبَـهَ عَلَيۡنَا وَاِنَّآ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ u قَـالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ
تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِى الۡحَرۡثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيۡهَا- قَالُوا الۡـٰٔنَ جِئۡتَ بِالۡحَقِّ
فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ v
وَاِذۡ قَتَـلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِيۡهَا- وَالـلّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ w فَقُلۡنَا

وضاحت کے ساتھ بتائے کہ وہ (گاے) کیسی ہو، ہمیں گایوں میں کچھ شبہ پڑ رہا ہے، اور اللہ نے چاہا تو اب ہم ضرور اُس کا پتا پالیں گے۔[183] اُس نے کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ گاے محنت والی نہ ہو کہ زمین جوتتی اور فصلوں کو پانی دیتی ہو۔ وہ ایک ہی رنگ کی ہو، اُس میں کسی دوسرے رنگ کی آمیزش نہ ہو۔ بولے: اب تم واضح بات لائے ہو۔[184] اِس طرح اُنھوں نے اُس کو ذبح کیا اور لگتا نہ تھا کہ وہ یہ کریں گے۔ ۶۷-۷۱

اور یاد کرو، جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ پھر (جھوٹی قسمیں کھائیں اور) اِس کا الزام ایک دوسرے پر دھرنے لگے،[185] اور اللہ نے فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ تم چھپا رہے تھے،

ڈالو۔

۱۸۱؎ گاے کے رنگوں میں زرد اور سنہرا رنگ سب سے زیادہ دل پسند سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جب پوچھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ پسندیدہ رنگ ہی کی ہدایت کی جائے گی۔

۱۸۲؎ اصل میں لفظ 'فاقع' استعمال ہوا ہے۔ یہ اِسی سنہرے رنگ کی شوخی کے لیے آتا ہے۔

۱۸۳؎ اِن الفاظ سے اُن کا یہ باطن واضح ہوتا ہے کہ اپنے سوالات کی نامعقولیت اب اُن پر بھی واضح ہو چکی تھی۔ چنانچہ اُن کا یہی احساس ہے جس کی برکت سے شاید یہ الفاظ اُن کی زبان سے نکلے اور اِن الفاظ کی برکت سے اُنھیں قربانی کے اِس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔

۱۸۴؎ اصل میں 'الـٰٔن جئت بالحق' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'حق' کا لفظ عربی زبان میں کئی معنوں کے لیے آتا ہے۔ اِن میں سے ایک معنی واضح اور بین ہونے کے بھی ہیں۔ یہاں یہ اِسی معنی میں ہے۔

۱۸۵؎ اِس مفہوم کے لیے 'ادارء تم' کا جو لفظ اصل میں آیا ہے، یہ درحقیقت 'تدارء تم' ہے۔ ادغام کے قاعدے سے اِس کی یہ صورت ہو گئی ہے۔

اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا - كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ x

---

وہ اُسے ظاہر کر دے گا۔ چنانچہ ہم نے کہا: اِس (مردے) کو اُسی (گاے) کا ایک ٹکڑا مارو[۱۸۶] (جو قسمیں کھانے کے لیے ذبح کی گئی ہے تو وہ زندہ ہو گیا)۔ اللہ اِسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔[۱۸۷] ۲: ۷۳-۷۳

۱۸۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'اضربوہ ببعضها'۔ اِن میں 'ها' کی ضمیر جس طرح آئی ہے، اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس موقع پر بھی اوپر بیان کیے گئے قانون کے مطابق پہلے گاے ذبح کر کے قسامہ کا طریقہ اختیار کیا گیا، لیکن جب اُن لوگوں نے جھوٹی قسمیں کھا لیں اور ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تنبیہ اور اُنھیں آخرت کی یاد دہانی کے لیے یہ معجزہ دکھایا۔ قسامہ کے لیے گاے کی قربانی کا حکم چونکہ متصل پہلے ہی بیان ہوا ہے، اِس وجہ سے ضمیر اِس طریقے سے آ گئی ہے اور اُس نے نہایت بلیغ طریقے پر اُس پوری بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جسے ہم نے اپنے ترجمے میں کھولا ہے۔ اِس معجزے کے بارے میں یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ مقتول کی لاش کو قربانی کی گاے کا ٹکڑا مارنا محض ایک علامت تھی۔ اِس سے پہلے اِس سورہ میں جن معجزات کا ذکر ہوا ہے، وہ بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے اشارے ہی سے نمودار ہوئے۔ معجزات کے بارے میں سنت الٰہی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالعموم اِس طرح کی کسی علامت کے ساتھ ہی نمودار ہوتے ہیں۔

۱۸۷؎ یہ اُس یاد دہانی کی تعبیر ہے جو اِس معجزے نے زبان حال سے انھیں کی۔

(باقی)

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

صحابہ کے لیے بشارت

وعن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: كنا قعودا حول رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم و معنا أبو بكر وعمر رضی اللّٰه عنهما فی نفر۔ فقام رسول اللّٰه من بین أظهرنا، فأبطا علینا، و خشینا أن یقتطع دو ننا، و فزعنا فقمنا ، فكنت أول من فزع ، فخرجت أبتغی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم۔ حتی أتیت حائطاللأ نصار لبنی نجار، فساورت به، هل أجد له بابا؟ فلم أحد فإذا ربیع یدخل فی جوف حائط من بئر خارجة ـــ والربیع الجدول ـــ قال: فاحتفرت فدخلت علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم۔ فقال: أبو هریرة؟ فقلت: نعم، یارسول اللّٰه ۔ قال: ماشأنك؟ قلت: كنت بین أظهرنا فقمت فأبطات علینا، فخشیناأن تقطع دو ننا ففزعنا فكنت أول من فزع، فأتیت هذا الحائط، فاحتفزت كما یحتفز الثعلب، وهؤلاء الناس ورائی۔ فقال: یاأبا هریرة وأعطانی نعلیه، فقال: اذهب بنعلی هاتین، فمن لقیك من وراء هذا الحائط یشهد أن لااله الا اللّٰه مستیقنا بها قلبه فبشره بالجنة۔ فكان أول من لقیت عمر۔ فقال: ماهاتان النعلان؟ قلت:

هاتا نعلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بعثنى بهما۔ من لقيت يشهد أن لااله الا اللّٰه مستيقنابها قلبه بشرته بالجنة۔ فضرب عمر بين ثديى، فخررت لإستى۔ فقال: إرجع يا أباهريرة۔ فرجعت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأجهشت بالبكاء وركبنى عمر، وإذا هو على أثرى۔ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مالك يا أبا هريرة۔ فقلت: لقيت عمرفأخبرته بالذى بعثنى به، فضرب بين ثديى ضربة خررت لإستى۔ فقال إرجع۔ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ياعمر، ماحملك على مافعلت؟ قال: يارسول اللّٰه، بأبى أنت وأمى، أبعثت أبا هريرةبنعليك، من لقى يشهد أن لااله الا اللّٰه مستيقنابها قلبه بشره بالجنة۔ قال: نعم۔ قال: فلا تفعل، فإنى أخشى أن يتكل الناس عليها، فخلهم يعلمون۔ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فخلهم۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اٹھے (اور کہیں چلے گئے)۔ پھر دیر تک (باہر ہی) رہے۔ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اچک نہ لیا جائے اور ہم لوگ گبھرا گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں سب سے پہلے گبھراہٹ کا شکار ہوا۔ چنانچہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے میں انصار میں سے بنی نجار کے ایک باغ (کی چار دیواری) کے پاس پہنچ گیا۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا کہ کہیں کوئی دروازہ مل جائے۔ (دروازہ) تو نہیں ملا۔لیکن دیوار کے بیچ میں نالے کا راستہ تھا جس کے ذریعے سے باہر سے کنویں کا پانی باغ کو جاتا تھا۔ وہ بتاتے

ہیں کہ میں سمٹ سمٹا کر (اس میں سے) گزر گیا۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ (آپ نے مجھے دیکھ کر) فرمایا: تم ابوہریرہ؟ میں نے عرض کیا: جی، اے اللہ کے رسول۔ آپ نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، پھر آپ اٹھ گئے اور آپ نے کافی دیر کر دی۔ ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں آپ کو اٹھا نہ لیا گیا ہوں۔ لہٰذا ہم لوگ گھبرا گئے۔ اس گھبراہٹ کے باعث میں سب سے پہلے نکلا ہوں۔ چنانچہ (تلاش کرتے کرتے) اس باغ تک آ گیا۔ پھر (دروازہ نہ پاکر) لومڑ کی طرح سمٹ کر پانی کے راستے سے داخل ہوا ہوں اور یہ میرے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہیں۔ (میری بات سن کر) آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ، اور مجھے اپنے جوتے بھی عنایت فرمائے اور کہا: میرے یہ جوتے لے جاؤ اور اس باغ سے باہر جس سے بھی تمھاری ملاقات ہو اور وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو اسے جنت کی بشارت دے دو۔ (میں باہر نکلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمر (رضی اللہ عنہ) سے ہوئی۔ انھوں نے پوچھا: ابوہریرہ، یہ (تمھارے ہاتھ میں) جوتے کیسے؟ میں نے بتایا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ہیں۔ آپ نے مجھے ان کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں ہر اس آدمی کو جو دل سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں جنت کی خوش خبری دے دوں۔ میری بات سن کر عمر نے میرے سینے پر ہاتھ مارا کہ میں پیٹھ کے بل گر گیا اور کہا: ابوہریرہ لوٹو۔ لہٰذا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس چل پڑا۔ میں رونے والی حالت میں تھا۔ عمر نے میرے اوپر چڑھائی کی ہوئی تھی اور وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر پوچھا: ابوہریرہ، کیا ہوا ہے؟ میں نے (حضور کو) بتایا کہ میری ملاقات عمر سے ہوئی اور میں نے انھیں وہ بات بتائی جس کے ساتھ آپ نے مجھے بھیجا تھا۔ لیکن انھوں نے مجھے اتنے زور سے مارا کہ میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ پھر مجھے کہا کہ واپس جاؤ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) سے پوچھا: اے عمر، تم نے یہ جو کیا ہے، کیوں کیا ہے؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنے جوتے دے کر (اس پیغام کے ساتھ) بھیجا ہے کہ یہ اسے جنت کی بشارت دیں جو دل کے یقین کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ آپ نے فرمایا:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہاں۔ حضرت عمر نے تجویز پیش کی کہ آپ (ایسا) نہ کیجیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسی پر بھروسا کرنے لگیں گے۔ آپ انھیں (اسی حالت میں) رہنے دیں تاکہ وہ عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنی) تو فرمایا: (لوگوں کو اسی طرح عمل کرنے کے لیے) چھوڑ دو۔''

لغوی بحث

یقتطع دوننا: 'یقتطع' مجہول ہے، یعنی کہیں دشمن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ 'دوننا' سے یہاں صحابہ سے دوری مراد ہے۔

حائط: لفظی طور پر اس سے چار دیواری مراد ہے۔ لیکن یہ باغ کے لیے آتا ہے۔ کیونکہ اس کے گرد دیوار ہوتی تھی۔

ربیع: آبپاشی کے لیے بنایا گیا کھال۔

فاحتفزت: تنگ جگہ سے گزرنے کے لیے بلی یا لومڑ کی طرح اپنے جسم کو سکیڑ لینا۔

فاجهشت بالبکاء: روہانسا ہونا، آہ زاری کرنا۔ یہاں اس سے شدید بے بسی کی وہ کیفیت مراد ہے جو حضرت عمر کے سخت ردِعمل کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔

فخلهم یعملون: 'خلی' 'یخلی' سے مراد ہے خالی جگہ چھوڑ دینا، رکاوٹ نہ ڈالنا۔ یعنی کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس کے نتیجے میں لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

یہ روایت صرف مسلم نے اپنی صحیح میں لی ہے۔ ہمارے پیشِ نظر متن اور صاحب مشکاۃ کے زیر مطالعہ متن میں معمولی سا فرق ہے۔ مثلاً صاحبِ مشکاۃ نے 'فساورت به' کا جملہ نقل کیا ہے۔ جبکہ مسلم کے ہمارے ہاں متداول نسخے میں 'قدرت به' درج ہے۔ اسی طرح 'لقیك' کے بجائے 'لقیت'، 'بالبکاء' کی جگہ 'بکاء' کے الفاظ ہیں۔ علاوہ ازیں 'فاحتفزت' کے ساتھ پہلی مرتبہ بھی 'کما یحتفز الثعلب' کی تصریح موجود ہے۔ بہرحال مسلم کے اس روایت کے لینے میں منفرد ہونے کے باعث اس روایت کا ایک ہی متن دستیاب ہے۔ لیکن اس مضمون کی روایات اور بھی ہیں۔ اس سے پہلے ہم حضرت معاذ بن جبل (حدیث: ۲۴)، حضرت انس بن مالک (حدیث: ۲۵)، حضرت ابوذر غفاری (حدیث: ۲۶)، حضرت عبادہ

بن صامت (حدیث: ۳۶)، حضرت عثمان بن عفان (حدیث: ۳۷)، اور عبداللہ بن جابر (حدیث: ۳۸) رضوان اللہ علیہم سے مروی روایات پر لکھ چکے ہیں[۱]۔ ان کا مضمون بھی یہی ہے۔

معنی

اس روایت کے تین پہلو قابل توجہ ہیں۔ ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم کی حضور سے محبت، دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے التفات اور تیسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دین کا فہم اور محکم رویہ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینے میں اس وقت پیش آیا جب دشمن سے کسی بھی کاروائی کی توقع کی جاری تھی۔ دراں حالیکہ حضرت ابو ہریرہ غزوۂ خیبر کے موقع پر ایمان لائے تھے۔ یہ غزوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً چار سال قبل پیش آیا۔ اس زمانے تک اسلامی حکومت بڑی حد تک مستحکم ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ خطرہ کس گروہ کی طرف سے تھا کہ وہ مدینہ میں آکر اس طرح کی کاروائی کرسکتا ہے۔ اہل مکہ سے کسی خلافِ مروّت عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی اور یہود کی طاقت کا پوری طرح استیصال ہو چکا ہے۔ یہ بات بھی اس روایت میں واضح نہیں کی گئی کہ حضرت ابو ہریرہ کے دل میں یہ خیال کیوں آیا کہ حضور بنی نجار کے باغ میں ہوں گے۔ مزید یہ کہ اگر خطرے کا ایسا ہی زمانہ تھا تو حضور اکیلے کیوں نکلے تھے۔

یہ سوالات اپنی جگہ، بہرحال یہ بات وضاحت سے بیان ہوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاخیر کے باعث صحابہ رضوان اللہ علیہم کس طرح پریشان ہوئے اور حضور کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ دوسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کے اس جذبہ کی شدت کو محسوس کیا اور انھیں ان کے ایمان وعمل پر جنت کی بشارت سے نوازا۔ اس روایت کے اس پہلو کو سامنے رکھیں تو یہ بات مزید مؤکد ہوتی ہے کہ اس مضمون کی دوسری روایات میں دی گئی بشارت کا تعلق بھی بنیادی طور پر صحابہ ہی کی جماعت سے ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کے ایمان کی گہرائی اور کردار کی پاکی اسے جنت کا یقینی طور پر اہل بناتی ہے۔

---

[۱] روایت: ۲۴ اور ۲۵ کے لیے دیکھیے اشراق جون ۱۹۹۹، روایت: ۲۶ کے دیکھیے اشراق جولائی ۱۹۹۹ اور روایت: ۳۶، ۳۷ اور ۳۸ کے لیے دیکھیے اشراق دسمبر ۱۹۹۹۔

تیسری چیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محکم انداز ہے۔ ان کے رویے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں حضرت ابو ہریرہ کے اس بشارت کے اعلان پر مامور ہونے کا یقین نہیں آیا۔ لہٰذا انھوں نے انھیں واپس حضور کے پاس جانے کے لیے کہا اور حضور نے خود معلوم کیا کہ انہیں واقعی اس کام کے لیے کہا گیا ہے۔ اس روایت میں بیان کی گئی بات چونکہ کئی پیرائے میں روایات میں بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا اس بات کا امکان نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت نا قابل یقین تھی ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکابر صحابہ سے یہ بات پہلے بھی کہتے رہے ہیں۔ نیا پہلو اعلان عام کا تھا۔ چنانچہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعلان عام نہ کرنے ہی کی گزارش کی۔ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔

ہم اوپر محولہ روایات کی شرح میں واضح کر چکے ہیں کہ اس بشارت کا تعلق صحیح ایمان وعمل سے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایمان اپنی زندگی کو نئے ڈھب پر استوار کرنے کا نام تھا۔ وہ دور دین کے لیے جان و مال کی بازی لگانے کا دور تھا۔ چنانچہ اسی دور کے سچے مومن اس بشارت کے حق دار تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پہلو کو نظر انداز کر رہے تھے جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کو متوجہ کیا۔ ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام اپنے لیے پریشان ہونے والے جان نثار صحابہ سے متعلق تھا۔ حضرت ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا کہ وہ بھی ان کے پیچھے آ رہے ہیں۔ لہٰذا آپ نے انھی کے لیے ابو ہریرہ کو یہ بشارت دے کر بھیجا۔ حضرت ابو ہریرہ آپ کے ارشاد کے اس خصوص کو نہیں سمجھے ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اعلان عام سے روک دیا اور حضور نے بھی اس کی تصویب فرمائی۔

کتابیات

مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۰۔

جنت کی کنجی

عن معاذ ن جبل قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مفاتیح الجنة شهادة ان لاالٰہ الااللّٰہ۔

”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا: جنت کی کنجیاں اس بات کا علانیہ اقرار ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

لغوی بحث

مفاتیح: 'مفتاح' کی جمع ہے۔لفظی معنی چابی کے ہیں۔ یہاں مجازاً اس کلمے کے لیے آیا ہے، جو خدا کی خوش نودی حاصل کرنے کا نقطہ آغاز ہے۔متبدا جمع اور خبر واحد ہے۔اس سے خبر میں شہادت کے لفظ میں مضمر عقائد واعمال کے تعدد کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

متون

اس روایت کو اپنی کتاب کا حصہ بنانے میں احمد بن حنبل منفرد ہیں۔لیکن مضمون کے اعتبار سے یہ روایت منفرد نہیں ہے۔اس روایت کا مضمون بھی وہی ہے جو اوپر ابو ہریرہ کی روایت کا ہے۔اس کے تحت ہم نے ان روایات کا حوالہ دے دیا ہے جو اسی مضمون کے حامل ہیں اور ان کی شرح ”اشراق“ کے گزشتہ شماروں میں چھپ چکی ہے۔

معنی

اس روایت کا کلیدی لفظ 'مفتاح' ہے۔اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ توحید کا شعور اور اس پر ایمان دین میں اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔ جنت کی کامیابی پانے کے لیے لازم ہے کہ آدمی شرک کے جرم سے بچا ہوا ہو۔ یہ کلمہ جب کسی بندے کے منہ سے نکلتا ہے اور وہ دنیا کے سامنے اس کو ماننے والے آدمی کی حیثیت سے آتا ہے تو یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ اس نے صحیح راستہ اختیار کر لیا ہے اب اس کا ہر قدم امید یہی ہے کہ راست سمت ہی میں اٹھے گا۔

کتابیات

مسند احمد عن معاذ بن جبل۔

آخرت کی فکر

وعن عثمان رضی اللّٰہ عنه قال: إن رجالا من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حن توفی حزنوا علیه، حتی کاد بعضهم یوسوس۔ قال عثمان: وکنت منهم۔ فبین أنا جالس مرعلی عمر وسلم، ولم اشعر به۔ فاشتکی عمر الی ابی بکر رضی اللّٰہ عنهما۔ چم اقبلا حتی سلما علی جمیعا۔ فقال ابوبکر: ماحملك علی ان لا ترد علی اخیك عمر سلامه؟ قلت: مافعلت۔ فقال عمر: بلی، واللّٰہ قدفعلت۔ قلت: و اللّٰہ ماشعرت أنك مررت ولا سلمت۔ قال ابوبکر: صدق عثمان، قد شغلك عن ذلك امر۔ فقلت: أجل۔ قال: ماهو؟ قلت: توفی اللّٰہ تعالی نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم قبل أن نسئله عن نجاة هذا الامر۔ قال ابوبکر: قد سألته عن ذلك۔ فقمت إلیه وقلت له: بابی أنت وأمی، أنت أحق بها۔ قال أبو بکر: قلت یا رسول اللّٰہ مانجات هذا الامر؟ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من قبل منی الکمة التی عرضت علی عمی فردها، فهی له نجاة۔

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ کے صحابہ میں سے چند لوگ بہت ہی غم زدہ ہوئے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ وسوسوں کا شکار ہونے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں بھی انھی میں سے تھا۔ میں اس کیفیت میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمر میرے پاس سے گزرے۔ انھوں نے مجھے السلام

علیکم کہا۔ لیکن مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ عمر نے اس بات کی شکایت ابو بکر سے کی۔ رضی اللہ عنہما۔ پھر وہ دونوں میری طرف آئے۔ دونوں نے بیک آواز السلام علیکم کہا۔ پھر مجھے ابو بکر نے پوچھا: کیا سبب ہوا کہ تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ میرا جواب سن کر عمر بولے: کیوں نہیں، بخدا آپ نے ایسا ہی کیا ہے۔ حضرت عثمان بتاتے ہیں کہ میں نے پھر وضاحت کی: بخدا، مجھے احساس تک بھی نہیں ہوا کہ آپ میرے پاس گزرے ہو اور نہ یہ کہ آپ نے سلام کیا ہے۔ میری وضاحت سن کر ابو بکر نے کہا: عثمان صحیح کہہ رہے ہیں۔ (پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا لگتا ہے) کوئی معاملہ ہے جس نے آپ کو (اس طرح) غافل کر دیا۔ میں نے کہا: جی (یہی بات ہے)۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات کو وفات دے دی۔ اس سے پہلے کہ میں انھیں اس (آزمایش) کے معاملے سے نجات کے بارے میں پوچھ لیتا۔ ابو بکر نے بتایا کہ میں نے آپ سے یہ بات پوچھ لی تھی۔ میں ان کی طرف لپکا اور میں نے کہا: بخدا آپ اس (سبقت) کا حق رکھتے ہیں۔ ابو بکر نے بتایا کہ میں نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا: (آزمایش) اس معاملے سے نجات (کی راہ) کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری طرف سے وہ کلمہ قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا کے سامنے بھی رکھا تھا لیکن انھوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا، تو یہ (کلمے کو قبول کر لینا) اس کے لیے نجات بن جائے گا۔''

لغوی بحث

حزنوا علیہ: کسی کے بارے میں دکھی ہونا، یہاں حضور کے دنیا سے رخصت ہونے پر طاری ہونے والی کیفیت مراد ہے۔

یوسوس: 'وسوسۃ' دل میں آنے والی ناپسندیدہ باتوں کے لیے آتا ہے۔

ولا سلمت: یہ عطف 'وما شعرت' پر ہے۔ لہذا نفی کا تعلق سلام سے نہیں۔

الامر: لفظی معنی تو معاملے کے ہیں۔ لیکن یہاں اس سے خاص معاملہ مراد ہے۔ یعنی روز قیامت کامیابی کا معاملہ۔

قمت الیہ: 'الی' یہاں آگے بڑھنے کے مفہوم کی تضمین پر دلالت کرتا ہے۔ ترجمے میں ہم نے اسے لپکنے کے الفاظ سے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

'الکملة' اس پر لام عہد کا ہے۔ آگے جملوں سے اس کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی توحید کا اقرار جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مواقع پر 'شہادہ ان لا الہ الا اللہ' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

متون

یہ روایت بھی صرف مسند احمد میں ہے۔ صاحب مشکاۃ نے بھی اسے مسند ہی سے نقل کیا ہے لیکن اس میں اور ہمارے پاس موجود مسند کے متن میں کافی فرق ہے۔ یہ فرق بنیادی طور پر تفصیل اور اجمال کا فرق ہے۔ مثلاً، اوپر درج متن میں صرف 'انا جالس' (میں بیٹھا ہوا تھا) لکھا ہوا ہے جبکہ مسند میں 'فی اطم من الا طام' (اونچی دیواروں میں کسی دیوار کے نیچے) کی صراحت بھی ہے۔ یہاں 'فلم اشعر بہ' (مجھے اس کی خبر نہیں ہوئی) ہے جبکہ مسند میں 'انہ مر و لا سلم فانطلق عمر حتی دخل علی أبی بکر فقال لہ مایعجبك أنی مررت علی عثمان فسلمت علیہ فلم یرد علی السلام وأقبل ھو وعمر فی ولایة أبی بکر' یہ (کہ وہ گزرے ہیں اور نہ یہ کہ انھوں نے مجھے سلام کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ابوبکر کے پاس پہنچ گئے اور ان سے کہا: کیا یہ حیرانی کی بات نہیں کہ میں عثمان کے پاس سے گزرا۔ انھیں سلام کیا۔ لیکن انھوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اور وہ اور ابوبکر میرے پاس آئے اور (یہ واقعہ) ابوبکر کے زمانہ خلافت کا ہے) کی تفصیل ہے۔ اسی طرح یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردعمل صرف اتنا ہے کہ حضرت عثمان نے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ لیکن مسند کے متن میں 'ولکنھا عبیتکم یا بنی امیة' (مگر یہ تو تمھارا غرور ہے، اے خاندان امیہ) سخت تبصرہ بھی درج ہے۔

مسند احمد میں یہ روایت تین طریقوں سے درج کی گئی ہے۔ ایک طریقے میں اس روایت کا متن اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں وسوسے کے ماخذ کی تصریح بھی ہے:

عن عثمان رضی اللّٰہ عنہ قال: تمنیت أن اکون سألت رسول

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عليه وسلم ماذا يـنـجيـنـا مـمـا يـلقى الشيطان فى انفسنا۔ فقال ابوبكر رضى اللّٰه عـنــه سـألتــه عن ذلك۔ فقال يـنـجيكم من ذلك أن تقولوا ما أمرت عمِى أن يقوله۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتا کہ ان باتوں سے نجات کا کیا طریقہ ہے جو شیطان ہمارے دل میں ڈال دیتا ہے۔ ابوبکر نے مجھے بتایا کہ میں نے یہ بات حضور سے پوچھی تھی اور آپ نے فرمایا تھا: اس سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ اس بات کو مان لو جو میں نے اپنے چچا سے اقرار کرنے کے لیے کہی تھی۔‘‘

بظاہر یہ متن وسوسے کے بارے میں یہ تصریح کرتا ہے کہ شیطان کی طرف سے جوشکوک وشبہات القا کیے جاتے ہیں حضرت عثمان ان سے نجات کے بارے میں پریشان تھے۔لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس جواب کا حوالہ دیا ہے وہ اس کے مطابق نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو توحید کے اقرار کی دعوت دی تھی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ دعوت قبول کیے ہوئے تھے۔اس کے باوجود وہ ’’شیطانی وسوسوں‘‘ کا شکار تھے۔ ہمارے نزدیک اس روایت میں راوی سے بات کو بیان کرنے میں سہو ہوا ہے۔

حضرت عثمان کے وسوسے آخرت کی نجات سے متعلق تھے۔ وہ اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ معلوم نہیں ہماری یہ کاوشیں ہماری کامیابی کی ضمانت بنیں گی یا نہیں۔ یہی بات وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتے تھے۔لیکن نہیں پوچھ پائے تھے۔ یہ پریشانی تو محمود پریشانی ہے۔اس کا سبب شیطان کیسے ہوسکتا ہے۔

معنی

مضمون کے اعتبار سے یہ روایت وہی بات بیان کر رہی ہے، جو اوپر کی روایت میں زیر بحث آ چکا ہے۔اس میں حضرت ابوطالب کو ایمان کی دعوت کے واقعے کا حوالہ بھی ہے۔اس سے یہ بات مزید واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایمان کو قبول کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔

کتابیات

مسند احمد عن عثمان رضی اللہ عنہ۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

قانون سیاست

(نئی اشاعت کے لیے مصنف کی طرف
سے نظرِ ثانی اور ترمیم و اضافہ کے بعد)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہ تمدن کو چاہتا ہے اور پھر اس تمدن کو اپنے ارادہ و اختیار کے سوء استعمال سے بچانے کے لیے جلد یا بدیر اپنے اندر ایک نظمِ اجتماعی پیدا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں سیاست و حکومت انسان کی اس خواہش اور اس مجبوری ہی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اور انسان جب تک انسان ہے وہ اگر چاہے بھی تو اس سے نجات حاصل کر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، لہٰذا عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس دنیا میں حکومت کے بغیر کسی معاشرے اور تمدن کا خواب دیکھنے کے بجائے وہ اپنے لیے ایک ایسا معاہدہ عمرانی وجود میں لانے کی کوشش کرے جو نظمِ اجتماعی کا تزکیہ کر کے اس کے لیے ایک صالح حکومت کی بنیاد فراہم کر سکے۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی فطرت نے اسے بالعموم یہی راہ دکھائی اور اسی راستے پر جد و جہد کے لیے آمادہ کیا ہے، لیکن اس کے جو نتائج اب تک نکلے ہیں اور جنھیں ہر شخص بچشمِ سر اس عالم میں دیکھ سکتا ہے، تنہا وہی اس حقیقت کو بالکل آخری حد تک ثابت کر دینے کے لیے کافی ہیں کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح عقلِ انسانی اس معاملے میں بھی آسمانی ہدایت کے بغیر اپنے لیے سواء السبیل تلاش نہیں کر سکتی۔ انسان کی یہی ضرورت ہے جس کے پیش نظر ایک مفصل قانونِ سیاست اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ مجید اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہمیں دیا ہے۔

یہ قانون جن مباحث کو شامل ہے وہ یہ ہیں:

بنیادی اصول

اصل ذمہ داری

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دینی فرائض

شہریت اور اس کے حقوق

نظمِ حکومت

ذیل میں ہم اس قانون سے متعلق قرآنِ مجید کے نصوص کی وضاحت کریں گے۔

۱۔ بنیادی اصول

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (النساء۴:۵۹)

''ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر تمھارے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اچھا ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہی بہتر ہے۔''

یہ بنیادی اصول ہے۔ قرآن نے اپنے اس حکم میں واضح کر دیا ہے کہ نظامِ ریاست میں اصل مرجعِ اطاعت کی حیثیت صرف اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہے۔ ہر وہ معاملہ جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعے سے کر دیا ہے اس میں اولوالامر کو خواہ وہ ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اولوالامر کے احکام اس اطاعت کے بعد اور اس کے تحت ہی مانے جا سکتے ہیں۔ اس اطاعت سے پہلے یا اس سے آزاد ہو کر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہو یا جس میں ان کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ اہل ایمان اپنے اولوالامر سے اختلاف کا حق بے شک رکھتے ہیں لیکن اللہ اور رسول سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا، بلکہ اس طرح کا کوئی معاملہ اگر اولوالامر سے بھی پیش آ جائے تو اس کا فیصلہ لازماً قرآنِ مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

تاہم اللہ اور رسول کی اس حکومت کے تحت اولوالامر کی اطاعت کے بھی چند لوازم ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں واضح فرما دیا ہے:

اول یہ کہ ان کے تحت جو نظمِ ریاست قائم کیا جائے، مسلمانوں کو اس سے پوری طرح وابستہ

رہنا چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظم کو 'الجماعۃ' اور 'السلطان' سے تعبیر کیا ہے اور اس کے بارے میں ہر مسلمان کو پابند کیا ہے کہ اس سے کسی حال میں الگ نہ ہو، یہاں تک کہ اس سے نکلنے کو آپ نے اسلام سے نکلنے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا کہ کوئی مسلمان اگر اس سے الگ ہو کر مرا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ آپ کا ارشاد ہے:

من رأبی من امیرہ شیئًا یکرھہ فلیصبر، فانہ من فارق من الجماعۃ شبراً فمات الامات میتۃ جاھلیۃ۔ (بخاری، کتاب الفتن)

''جس نے اپنے امیر کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھی، اسے چاہیے کہ صبر کرے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی سے الگ ہوا اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

یہی روایت ایک دوسرے طریق میں اس طرح آتی ہے:

من کرہ من امیرہ شیئًا فلیصبر، فانہ من خرج من السلطان شبراً، مات میتۃ جاھلیۃ۔ (بخاری، کتاب الفتن)

''جسے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے، اسے صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا اور اسی حالت میں مر گیا اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سیاسی خلفشار اور فتنہ وفساد کے زمانے میں بھی آپ کی ہدایت ہے کہ کسی مسلمان کو نظمِ اجتماعی کے خلاف کسی اقدام میں نہ صرف یہ کہ شریک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پوری وفاداری کے ساتھ اس سے وابستہ رہنا چاہیے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں سیدنا حذیفہ کے لیے آپ کا یہ ارشاد کہ: 'تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم'[1] (اس طرح کی صورتِ حال میں تم مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی اور اُن کے حکمران سے وابستہ رہو گے)، ریاست سے متعلق دین کے اسی منشا پر دلالت کرتا ہے۔

دوم یہ کہ وہ قانون کے پابند رہیں۔ جو حکم دیا جائے، اس سے گریز وفرار کے بجائے اسے پوری توجہ سے سنیں اور مانیں۔ کوئی اختلاف، کوئی ناپسندیدگی، کوئی عصبیت اور کسی نوعیت کا کوئی ذہنی تحفظ بھی اس انحراف کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ الّا یہ کہ خدا کی معصیت میں کوئی حکم دیا جائے۔

---

[1] مسلم، کتاب الامارہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نافرمانی قرار دیا اور فرمایا ہے:

من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ، ومن اطاع الامام فقد اطاعنی، ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ، ومن عصی الامام فقد عصانی۔ (بخاری، کتاب الاحکام)

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حکمران کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے حکمران کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

علیك اسمع والطاعة فی عسرك ویسرك ومنشطك ومکرهك واثرة علیك۔ (مسلم، کتاب الامارہ)

''تم پر لازم ہے کہ اپنے اولوالامر کے ساتھ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرو، چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے یہ رضا ورغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور اس کے باوجود بھی کہ تمھارا حق تمھیں نہ پہنچے۔''

علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکره الّا ان یؤمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔ (بخاری، کتاب الاحکام)

''مسلمان پر لازم ہے کہ خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، وہ ہر حال میں اپنے حکمران کی بات سنے اور مانے سوائے اس کے کہ اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے۔ پھر اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہے تو وہ نہ سنے گا اور نہ مانے گا۔''

اسمعو اواطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسه زبیبة۔ (بخاری، کتاب الاحکام)

''سنو اور مانو، اگرچہ تمھارے اوپر کسی حبشی غلام کو حکمران بنا دیا جائے، جس کا سر منقیٰ جیسا ہو۔''

اولوالامر کی یہ اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک آیۂ زیر بحث کی رو سے وہ 'منکم' ہوں یعنی مسلمان رہیں اور اللہ و رسول کی جو حیثیت اس آیت میں بیان ہوئی ہے، اسے تسلیم کر لیں اس کی آخری حد وہی ہے جس کا نمونہ خلفاے راشدین نے پیش کیا کہ ریاست کے نظام میں شریعت کی بالا دستی اس طرح تسلیم کی جائے کہ اس کے سامنے حکمرانوں کے سر ہی نہیں دل بھی جھکے ہوئے محسوس ہوں اور حکومت اس احساسِ ذمہ داری کے ساتھ کی جائے کہ حکمران گویا خدا کو ہر وقت

اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس سے نیچے وہ جگہ جہاں پہنچ جانے کے بعد ان کی اطاعت سے انحراف اور انھیں تبدیل کر دینے کی جدوجہد مسلمانوں کے لیے جائز ہو جاتی ہے 'منکم' کی اس شرط کے مطابق یہی ہوسکتی ہے کہ وہ کھلے کفر کے مرتکب ہو جائیں۔ اس کی ایک نمایاں علامت قرآن کی رو سے ذاتی حیثیت میں اور ریاست کی سطح پر نماز چھوڑ دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔ عبادہ بن صامت کی روایت ہے:

دعانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فبایعناه فکان فیما اخذ علینا علی السمع والطاعة فی منشطنا و مکرهنا وعسرنا ویسرنا واثرة علینا و ان لا تنازع الامر اهله، قال الا ان تروا کفرا بواحاً، عند کم من اللّٰہ فیه برهان۔

(مسلم، کتاب الامارہ)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیعت کے لیے بلایا تو ہم نے آپ سے بیعت کی۔ اس میں جن باتوں کا عہد لیا گیا وہ یہ تھیں کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے، چاہے یہ رضا و رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور چاہے ہم تنگی میں ہوں یا آسانی میں اور اس کے باوجود بھی کہ ہمارا حق ہمیں نہ پہنچے اور یہ بھی کہ ہم اپنے اولوالامر سے اقتدار کے معاملے میں کوئی جھگڑا نہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، البتہ جب تم کوئی کھلا کفر ان کی طرف سے دیکھو اور تمھارے پاس اس معاملے میں اللہ کی واضح حجت موجود ہو۔''

اسی طرح بعض روایتوں میں ہے:

انه یستعمل علیکم امراء فتعرفون وتنکرون فمن کره فقد بری ومن انکر فقد سلم ولکن من رضی وتابع قالوا یا رسول اللّٰہ، الا نقاتلهم قال لا ماصلوا۔

(مسلم، کتاب الامارہ)

''تم پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جن کی بعض باتیں تمھیں اچھی لگیں گی اور بعض بری۔ پھر جس نے بری باتوں کو ناپسند کیا اور وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے اُن کا انکار کیا وہ بھی محفوظ رہا، مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیچھے چل پڑا تو اس سے پوچھا جائے گا۔ صحابہ نے پوچھا: یہ صورت ہو تو کیا ہم اُن سے جنگ نہ کریں، اے اللہ کے رسول۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آپ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے ہوں۔''

شـرار ائـمتـكـم الذين تبغضونهم و يبغضونكم و تلعنونهم ويلعنونكم ، قيـل يـا رسـول الـلّٰه ، افلا ننابزهم بـالسيف فـقـال ، لا ما اقاموا فيكم الصلٰوة۔ (مسلم، کتاب الامارہ)

''تمھارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول، یہ صورت ہو تو کیا ہم ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔''

تاہم اس حد کو پہنچ جانے کے بعد بھی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا حق کسی شخص کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا، جب تک مسلمانوں کی واضح اکثریت اس کی تائید میں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پھر حکومت کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت قرار پائے گی جو اسلامی شریعت کی رو سے فساد فی الارض ہے اور جس کی سزا قرآن میں قتل مقرر کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من اتاكم وامركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم اويفرق جماعتكم فاقتلوه۔ (مسلم، کتاب الامارہ)

''تم کسی شخص کی امارت پر جمع ہو اور کوئی تمھاری جمعیت کو پارہ پارہ کرنے یا تمھاری نظمِ اجتماعی میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اٹھے تو اسے قتل کر دو۔[۲]''

پھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ یہ بغاوت اگر مسلح بغاوت ہو تو اس کی ایک لازمی شرط یہ بھی ہے کہ بغاوت کرنے والے پہلے کسی آزاد علاقے میں جا کر اپنی حکومت قائم کریں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر کو بھی جو اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے تلوار اٹھانے کی اجازت اس وقت تک نہیں دی جب تک اس نے ہجرت کر کے اپنی جماعت کو کسی آزاد علاقے میں منظم نہیں کر لیا اور اس کا اقتدار اس جماعت پر بزورقوت قائم نہیں ہو گیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کو اس کا حکم اس شرط کے پورا ہو جانے کے بعد ہی

۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سورۂ مائدہ کی آیت ۳۳ پر مبنی ہے۔

ملا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے بھی اس کا راستہ اس وقت کھلا ، جب بیعت عقبہ کے بعد مدینہ میں ان کی ایک با قاعدہ حکومت قائم ہوئی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے ۔ جو نظامِ امارت اپنی جماعت پر اللہ کی حدود نافذ کرنے اور ارتکاب جرم کی صورت میں مجرم کو سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتا ، اسے قتال کی اجازت آخر کس طرح دی جا سکتی ہے؟

اس امت کے علما ہمیشہ اس شرط کے قائل رہے ہیں ۔ ''فقہ السنۃ'' میں ہے :

والنوع الثالث من الفروض الكفائية مايشترط فيه الحاكم، مثل الجهاد واقامة الحدود۔	''اور کفایہ فرائض کی تیسری قسم وہ ہے، جس میں حکمران کا ہونا شرط ہے۔ مثال کے طور پر جہاد اور اقامتِ حدود۔''

(السید السابق، ج ۳، ص ۳۰)

امام فراہی لکھتے ہیں:

''اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت اور ہجرت سے متعلق دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحبِ اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض شورش و بدامنی اور فتنہ وفساد ہے[۳]۔'' (مجموعۂ تفاسیرِ فراہی، ص ۵۶)

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب ''دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار'' میں اس شرط کے اسی پہلو کی وضاحت میں لکھا ہے:

''پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باطل نظام کے اختلال و انتشار کو بھی اس وقت تک پسند نہیں کرتا جب تک اس بات کا امکان نہ ہو کہ جو لوگ اس باطل نظام کو درہم برہم کر رہے ہیں، وہ اس کی جگہ پر کوئی نظامِ حق بھی قائم کر سکیں گے۔ انارکی اور بے نظمی کی حالت ایک غیر فطری حالت ہے، بلکہ انسانی فطرت سے یہ اس قدر بعید ہے کہ ایک غیر عادلانہ نظام بھی اس کے مقابل میں قابل ترجیح ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی جماعت کو جنگ چھیڑنے کا اختیار نہیں دیا ہے جو بالکل مبہم اور مجہول ہو، جس کی طاقت و استطاعت غیر معلوم اور مشتبہ ہو، جس پر کسی ایک بااختیار امیر کا اقتدار قائم نہ ہو جس کی اطاعت و وفاداری کا امتحان نہ ہوا ہو، جس کے افراد منتشر اور پراگندہ ہوں، جو کسی نظام کو درہم برہم تو کر سکتے ہوں۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت انھوں نے بہم نہ پہنچایا ہو کہ وہ کسی انتشار کو مجتمع بھی کر سکتے

۳۔ یہ استاذ امام امین احسن اصلاحی کا ترجمہ ہے۔ امام فراہی کی اصل عربی عبارت، افسوس ہے کہ میسر نہیں ہو سکی۔

ہیں۔ یہ اعتماد صرف ایک ایسی جماعت ہی پر کیا جا سکتا ہے جس نے بالفعل ایک سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی ہو اور جو اپنے دائرہ کے اندر ایک ایسا ضبط و نظم رکھتی ہو کہ اس پر 'الجماعة' کا اطلاق ہو سکے۔ اس حیثیت کے حاصل ہونے سے پہلے کسی جماعت کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ 'الجماعة' بننے کے لیے جدوجہد کرے اور اس کی یہ جدوجہد جہاد ہی کے حکم میں ہو گی۔ لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عملاً جہاد بالسیف اور قتال کے لیے اقدام شروع کر دے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی جنگ کرنے والی جماعت کو انسانوں کے جان و مال پر جو اختیار حاصل ہو جایا کرتا ہے وہ ایسا غیر معمولی اور اہم ہے کہ کوئی ایسی جماعت اس کو سنبھال ہی نہیں سکتی جس کے لیڈر کا اقتدار اس کے اوپر محض اخلاقی قسم کا ہو۔ اخلاقی اقتدار اس امر کی کافی ضمانت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے فساد فی الارض کو روک سکے۔ اس وجہ سے مجرد اخلاقی اقتدار کے اعتماد پر کسی اسلامی لیڈر کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دے دے، ورنہ اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ جب ایک مرتبہ ان کی تلوار چمک جائے گی تو وہ حلال و حرام کے حدود کی پابند نہیں رہے گی اور ان کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہو جائے گا جس کے مٹانے ہی کے لیے انھوں نے تلوار اٹھائی ہے۔ عام انقلابی جماعتیں جو مجرد ایک انقلاب برپا کرنا چاہتی ہیں اور جن کا مطمحِ نظر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ وہ قائم شدہ نظام کو درہم برہم کر کے برسر اقتدار پارٹی کے اقتدار کو مٹائیں اور اس کی جگہ اپنا اقتدار جمائیں، اس قسم کی بازیاں کھیلتی ہیں اور کھیل سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک نہ کسی نظم کا اختلال کوئی حادثہ ہے، نہ کسی ظلم کا ارتکاب کوئی معصیت۔ اس وجہ سے ان کے لیے سب کچھ مباح ہے، لیکن ایک عادل اور حق پسند جماعت کے لیڈروں کو لازماً یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ جس نظم سے وہ خدا کے بندوں کو محروم کر رہے ہیں، اس سے بہتر نظم ان کے واسطے مہیا کرنے کی وہ صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اور جس ظلم کو مٹانے کے وہ درپے ہیں، اس قسم کے مظالم سے اپنے آدمیوں کو بھی روکنے پر وہ پوری طرح قادر ہیں یا نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ محض اتفاقات کے اعتماد پر وہ لوگوں کے جان و مال کے ساتھ بازیاں کھیلیں اور جس فساد کے مٹانے کے لیے اٹھے ہیں، اس سے بڑا فساد خود برپا کرا دیں۔'' (باب ۱۴، ص ۲۴۱۔۲۴۲)

(باقی)

محمد سلیم خالد

پاک و ہند میں قرآنِ مجید کے فارسی تراجم

پاک و ہند میں قرآنِ مجید کے فارسی تراجم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ قرآن مجید کا صرف ترجمہ کم ہی کیا گیا ہے۔ عام طور پر تفاسیر ہی لکھی گئی ہیں۔ ذیل میں ترجمہ وتفسیر کے اس کام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

برصغیر میں قرآن پاک کا پہلا مکمل فارسی ترجمہ نظام الدین نیشا پوری نے سپرد قلم کیا۔ ان کا تعلق نیشا پور سے تھا، تحصیلِ علم کے بعد وہ ہندوستان کے شہر دولت آباد آ گئے اور عربی میں ایک ضخیم تفسیر ''غرائب القرآن ورغائب الفرقان'' کے نام سے تحریر کی[1]۔ انھوں نے تفسیر تو عربی زبان میں لکھی، لیکن ضمناً قرآنِ پاک کا ترجمہ فارسی میں پیش کیا۔ وہ ۷۲۸ھ میں وفات پا گئے[2]۔ ان کے کیے گئے ترجمے کا ایک حصہ حسبِ ذیل ہے:

لَقَدُ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الُمُؤُمِنِيُنَ اِذُ بَعَثَ	''بدرستی منت نہاد خدا برمومنان وقتی کہ
فِيُهِمُ رَسُوُلًا مِّنُ اَنُفُسِهِمُ يَتُلُوُا	برانگیخت درآں با پیغمبری از آں با کہ فی خواند
عَلَيُهِمُ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيُهِمُ وَيُعَلِّمُهُمُ	برآں با آیات او وپاک فی کروشان ومی آموخت
الُكِتٰبَ وَالُحِكُمَةَ وَاِنُ كَانُوُا مِنُ قَبُلُ	آنہارا کتاب وحکمت راوگرچہ فی بودند پیش ازان
لَفِيُ ضَلٰلٍ مُّبِيُنٍ۔ (آلِ عمران۳:۱۶۴)	ہرآینہ درگمراہی ظاہر[3]''

عجیب اتفاق ہے کہ برصغیر کی پہلی کامل فارسی تفسیر بھی دولت آبادِ میں مکمل ہوئی۔ یہ تفسیر مشہور عالم شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) نے ''بحرِ مواج'' کے نام سے لکھی۔ وہ جون پور کے حکمران ابراہیم شاہ شرقی (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) کے دربار سے وابستہ تھے[4]۔ اس تفسیر میں ترجمے سے خصوصی اعتنا کیا گیا

۱؎ ج۱، تبریز، ۱۲۰۸ھ، ص۳۸۴۔

۲؎ عبدالصارم، تاریخ التفسیر، لاہور۔ ۱۹۷۱ء ص۴۴۔

۳؎ ج۱ص۳۸۰۔

ہے۔ ان کا ترجمہ تفسیر نما اور توضیحی ہوتا ہے۔ اس ترجمے کا ایک حصہ یہ ہے:

اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ۔ (الماعون ۱۰۷:۱۔۳)

''معنی این است دانستہ کسی را کہ دین را یعنی ملتِ اسلام را یا جزا را تکذیب فی کند کہ خبر دینِ اسلام وخبر جزا نابودہ و دروغ فی داند زیرا کہ آن ہماں کس است کہ بہ عنف و درشتی یتیم را فی راند و اہل خود را بر اطعام مسکین باعث نمی شود وتحریص نمی کند[۵]۔''

برصغیر کا تفسیر کے بغیر پہلا ترجمہ سندھ کے مشہور روحانی بزرگ مخدوم نوح بالائی رحمہ اللہ (م ۹۹۵ھ) نے کیا۔ یہ ترجمہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے ۱۴۰۱ھ میں بڑے اہتمام سے شائع کیا[۶]۔ اس ترجمے کا ایک حصہ یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ (النصر ۱۱۰:۱۔۳)

''چو بیاید نصرت خدا ای و فتح مکہ۔ وبنی تو (ای محمد) مردماں را کہ درمی آیند در دین خدای تعالیٰ گروہ گروہ۔ پس تسبیح کن بحمد پروردگار تو وطلب آمرزش کن از و بدرستی کہ اوست توبہ پذیرندہ[۷]۔''

شہنشاہ نورالدین جہانگیر (۱۰۱۴ھ ـــــ ۱۰۳۷ھ) کو قرآنی تراجم سے خاص شغف تھا۔ اس کے ایما پر کئی علما نے قرآنِ پاک کے فارسی میں تراجم سپردِ قلم کیے مثلاً جہانگیر جب گجرات گیا تو مولانا سید محمد رضوی (م ۱۰۵۴ھ) سے بطورِ خاص ملاقات کی اور درخواست کی کہ وہ قرآنِ پاک کا فارسی میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے قرآن عزیز کا فارسی میں ترجمہ کیا[۸]۔ اسی طرح شیخ نعمت اللہ فیروز پوری (م ۱۰۷۲ھ) نے قرآنِ مجید کا فارسی میں ترجمہ تحریر کیا اور اسے ''تفسیر جہانگیری'' کے نام سے موسوم کیا[۹]۔ لیکن اب یہ تراجم

۴؎ ''تاریخ فرشتہ''، محمد قاسم فرشتہ، نول کشور لکھنو، ۱۲۲۱ھ، ج ۲، ص ۳۰۶۔

۵؎ (قلمی) مخزونہ مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد کتاب خانہ نمبر ۲۶۹۰، ص ۱۱۹۰۔

۶؎ مقدمہ، ص ۱۸ تا ۲۹۔

۷؎ ص ۶۰۹۔

۸؎ ''تذکرہ المفسرین''، ص ۱۶۳، اٹک، ۱۴۰۱ھ محمد زاہد الحسینی۔

مفقود ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۶۹ھ ـــــ ۱۱۱۸ھ) کا عہد قرآنِ مجید کے تراجم اور تفاسیر کے لحاظ سے بڑا بابرکت عہد ہے۔ اس عہد کے چند مشہور تراجم اور تفسیر کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ا۔ خواجہ معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) نے ''شرح القرآن'' کے نام سے مختصر فارسی تفسیر سپردِ قلم کی۔ یہ تفسیر اورنگ زیب کے نام سے معنون ہے۔[۱۰] اس میں ترجمہ قرآن کا خصوصی التزام ہے۔ ایک آیت کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ۲:۲۱)	''ای مردم مکہ ومدینہ بندگی کنید پروردگار خویش را، آں آفریدگاری کہ آفرید شمارا و آفرید آنان راکہ بودند پیش ازشما، تاباشدکہ شما پرہیزید۔''[۱۱]

(ب) ''تفسیر شیروان خان'': یہ تفسیر شیروان حسین قادری کی تالیف ہے۔ سالِ تکمیل ۱۰۷۰ھ ہے۔[۱۲] یہ تفسیر کم اور ترجمہ زیادہ ہے بلکہ اسے تفسیر نما ترجمہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (البقرہ۲:۶)	''بدرستی آں کسانی کہ کافرشرند برابر است برایشاں آنکہ بترسانی تو ایشاں را یا نترسانی ایمان نمی آرند۔''[۱۳]

(ج) محمد صفی ابن ولی قزوینی اورنگ زیب عالمگیر کے دربار سے وابستہ تھے۔ شہزادی زیب النساء (م۱۱۱۳ھ) کے حکم سے ''تفسیر کبیر'' از فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) کا ترجمہ ۱۰۸۷ھ میں مکمل کیا اور تفسیر کو شہزادی کے نام پر ''زیب التفاسیر'' کے نام سے موسوم کیا۔[۱۴] لیکن ''زیب التفاسیر'' تفسیر کبیر کا محض ترجمہ نہیں ہے بلکہ مترجم نے جابجا تصرفات سے کام لیا ہے اور ایک اہم بات یہ ہے کہ تفسیر میں ترجمہ،

۹۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۸۷۔ طیب اکادمی ملتان، ۱۴۱۲ھ۔

۱۰۔ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۹، نول کشور لکھنو، ۱۳۳۲ھ، رحمان علی۔

۱۱۔ قلمی نسخہ، مخزونہ مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد، ص ۳۲۔

۱۲۔ قلمی نسخہ، مخزونہ مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد، ص ۴ تا ۶۔

۱۳۔ قلمی نسخہ، مخزونہ مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد، ص ۱۸۔

۱۴۔ قلمی نسخہ، مخزونہ مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد، ص ۳۔

قرآن کا اضافہ کیا ہے۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (الانفال ۸:۱)

''فی پرسند ترا ای حبیب؛ یاران وپیروانِ تو از حکم غنیمت ہای کفاہ۔ بگولہ کہ حکم کردن در غنیمت ہا و فرمان واختیارِ قسمت آن بامر خدا راست و فرستادہ اور راکہ بفرمانِ او قسمت فی کند پس، بتر سید از عقاب خدا و بصلاح آرید و شایستہ و پسندیدہ گردانید آنچہ میان شما است وفرمان برید خدا را وفرستادہ اور آنچہ فی فرماید در باب غنایم یا در ہمہ ابواب اگر ہستید شما مومنان[15]۔''

(د) مرزا نورالدین نعمت خان عالی (م۱۱۲۲ھ) نے ''نعمتِ عظمیٰ'' کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل تفسیر، ۱۱۱۵ھ میں مکمل کی[16]۔ ایک آیت کا ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔

(البقرہ ۲:۱۳)

''وچوں گفتہ شود باین منافقان کہ ایمان بیارید، در دل خود گویند کہ آیا ایمان آریم ما چنانکہ بی خردان ایمان آوردہ، بدانید ای مومنان کہ آں باخود سفیہ اند و امانمی دانند این معنی را[17]۔''

(ہ) محمد امین صدیقی (م۱۱۱۳ھ) اورنگ زیب عالمگیر کے دربار سے منسلک تھے[18]۔ انھوں نے اورنگ زیب کے ایما پر ملا حسین واعظ کاشفی (م۹۱۰ھ) کی مشہور و معروف فارسی تفسیر، ''تفسیرِ حسینی'' کی تلخیص کی اور اسے ''تفسیرِ امینی'' سے موسوم کیا[19]۔

---

[15] نسخۂ خطی مخزونہ بودلین لائبریری، آکسفورڈ، برطانیہ، ج۵، ص۲ب تا ۳ب۔

[16] ایوانف کرزن، فہرست نسخہ ہای خطی مخزونہ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری بنگال، جلد اول، کلکتہ، ۱۹۲۶، ص۲۴۶۔

[17] نسخۂ خطی مخزونہ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، کلکتہ انڈیا، ج۱ص۱۲، ۱۲ب۔

[18] عبدالحیٔ حسنی، نزہتہ الخواطر، جلد۶، مذکورہ، ص۲۹۲۔

[19] نسخۂ خطی، مخزونہ کتب خانہ، آصفیہ، حیدر آباد، دکن، انڈیا ص۱۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سورۂ کوثر کا ترجمہ یہ ہے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ۔ (الکوثر ۱۰۸: ۱۔۳)

''بدرستی کہ ما عطا کردیم ترا بسیاری۔ پس نماز گزار برای پروردگار خود خالص برای رضای او وقربان کن شتری را برای خدا۔ بدرستی کہ دشمنِ تو یعنی عاص اوست دم بریدہ ومنقطع از خیر وبی نسل[20]۔''

اورنگ زیب عالمگیر (۱۱۱۸ھ) کی وفات کے بعد بارھویں صدی ہجری کے اختتام تک چند مشہور اور اہم فارسی تراجم اور تفاسیر کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

ا۔شاہ محمد غوث پشاوری پشاور سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے۔آپ نے قرآن عزیز کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا لیکن اب یہ ترجمہ مفقود ہے آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں لاہور میں ہوئی[21]۔

ب۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) نے اپنا مشہور فارسی ترجمۂ قرآن ''فتح الرحمٰن'' ۱۱۵۱ھ میں مکمل کیا[22]۔ اس ترجمہ نے مابعد کے فارسی اور اردو تراجم پر دوررس اور گہرے اثرات مرتسم کیے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ترجمۂ قرآن کے سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ برصغیر میں پہلے مترجمِ قرآن ہیں اور ان کے ترجمۂ قرآن کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔لیکن سطور بالا کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ برصغیر میں ان سے پہلے کئی فارسی تراجمِ قرآن منصۂ شہود پر آ چکے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے ترجمۂ قرآن کا نمونہ حسبِ ذیل ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ

''ستائش خدای راست پروردگار عالم ہاست، بخشایندہ مہربان، خداوند روز جزا، ترامی پرستیم و از تو مدد می طلبیم بنما ما را راہ راست۔ راہ آنان کہ اکرام کردۂ برایشان بجز آنان کہ خشم گرفتہ شد

۲۰؎ ص ۵۶۷۔

۲۱؎ محمد زاہد الحسینی، تذکرۃ المفسرین، مذکورہ، ص ۱۶۹۔

۲۲؎ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی، تاریخ ندارد، مقدمہ ص ب۔

۲۳؎ ایضاً ص ۳۔

اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ۔ (الفاتحہ ۱:۱۔۷)   برآن با و بجز گمراہان[۲۳]۔

(ج) حافظ غلام مصطفیٰ بن محمد اکبر تھانیسری نے اپنی مبسوط فارسی تفسیر ۱۱۹۱ھ میں مکمل کی۔ اس تفسیر میں ترجمہ کا خصوصی التزام نظر آتا ہے[۲۴]۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۔ (البقرہ ۲:۶)   ''بدرستی آنان کہ کافر شدہ اند برابر است برایشان آنکہ بیم کنی و ترسانی ایشان را یا بیم نکنی ایمان نیارند[۲۵]''

تیرھویں صدی ہجری میں اردو زبان نے حیرت انگیز ترقی کر لی اور اردو زبان میں بھی تراجمِ قرآن اور تفسیر تو یسی کا کام ہونے لگا لیکن اس کے باوجود فارسی میں متعدد تراجم و تفاسیر احاطۂ تحریر میں آئے۔

چند مشہور اور اہم تراجم اور تفاسیر کے مختصر کوائف ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

ا۔ ملا محمد سعید گند سودوم (م ۱۲۰۸ھ) کا تعلق کشمیر سے تھا۔ آپ نے قرآنِ پاک کا فارسی ترجمہ ''مفاتیح البرکات'' کے نام سے سپردِ قلم کیا[۲۶]۔ اب یہ ترجمہ مفقود ہے۔

ب۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزندِ ارجمند شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۲۹ھ) نے قرآنِ پاک کی فارسی تفسیر ''فتح العزیز'' کے نام سے قلمبند کی۔ یہ ایک کامل تفسیر میں سے ترجمے کا ایک حصہ یہ ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۔ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۔ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الۡعُقَدِ ۔ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ (الفلق ۱۱۳:۱۔۵)   ''بگوای پناہ گیرندہ پناہ می گیرم از ہدی آنچہ آفریدہ است واز شرِ چیز تاریک چون تاریکئی او ہجوم کند واز شرِ دم زنندگان در گرہ از شرِ حاسد چوں اظہار حسد کند[۲۸]''

ج۔ محمد سعید مدراسی (م ۱۲۷۲ھ) نے اپنی فارسی تفسیر، مواہب الرحمٰن چار جلدوں میں مکمل کی[۲۹]۔ اس ترجمے کا

۲۴؎ سی۔ اے۔ سٹوری، پرشین لٹریچر، جلد اول مطبوعہ برطانیہ ۱۹۳۷ء ص ۲۳۔

۲۵؎ مطبوعہ لاہور ۱۲۸۴، ص ۴۔

۲۶؎ محمد زاہد الحسینی، تذکرہ المفسرین، مذکورہ، ص ۱۷۴۔

۲۷؎ عبدالحیٔ حسنی، نزہتہ الخواطر، جلد ۷ مذکورہ، ص ۳۰۳۔

۲۸؎ شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی، جلد ۲ بمبئی ۱۲۶۴ ص ۳۸۹۔۳۹۰۔

ایک حصہ درج ذیل ہے:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ۔ (الکوثر ۱۰۸: ۱۔۳)

''بدرستی کہ ما دادیم ترا خیر بسیاری۔ پس مداومت بکن برنماز ونحر بکن شتران را کہ بہترین اموال عرب است۔ بدرستی کہ دشمن تو کہ بغض فی دارد بتو اوست پس بریدہ کہ ہیچ عقبی و نسلی اورا باقی نماند۔[۳۰]''

د۔ ''تفسیر غریب'' سید نجف علی (م ۱۲۹۸ھ) کی تالیف ہے جو کہ ۱۲۹۴ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔[۳۱] اس ترجمے کا ایک حصہ حسبِ ذیل ہے[۳۲]:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۔ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۔ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ (النصر ۱۱۰: ۱۔۳)

''ہرگاہ آمد برتو یاوری خداوند و فتح یعنی فتح مکہ و دیدی مردم را در حالی کہ داخل فی شوند در دینِ خدا لشکر ہا۔ پس تسبیح کن بحمدِ خداوند گارِ خودت و آمرزش خواہ از وہر آینہ بودہ است او تعالیٰ توبہ پذیر۔[۳۳]''

(ہ) ''تفسیر وجیز'' محمد عبدالحکیم بن عبدالرحیم کی تالیف ہے سالِ تکمیل ۱۲۹۳ھ ہے۔[۳۴] نمونہ ترجمہ نیچے درج ہے:

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ

''گفت خدائی بی واسطہ ای آدم خبر وہ این ملائکہ را بنام ہای آں چیز ہا۔ فرمود آیا نگفتہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

[۲۹] عبدالحیٔ حسنی، نزہتہ الخواطر، جلد ۷، مذکورہ ص ۴۸۹۔

[۳۰] محمد سعید مدراسی، مواہب الرحمٰن (پارہ عم) مدراس (انڈیا) ۱۲۶۱ھ ص ۱۶۵، ۱۶۶۔

[۳۱] حسین عارف نقوی، تذکرہ علماے امامیہ پاکستان، اسلام آباد، ۱۳۶۳ھ ص ۵۔

[۳۲] القرآن، سورہ ۱۱۰۔

[۳۳] نجف علی، تفسیر غریب، جلد ۵ نسخۂ خطی مخزونہ مرکزِ تحقیقاتِ فارسی، اسلام آباد، ص ۶۴۵۔

[۳۴] محمد عبدالحکیم دہلوی، تفسیر وجیز، جلد اول، دہلی ۱۲۹۵ھ، ص ۲۔

[۳۵] محمد عبدالحکیم، تفسیر وجیز، جلد اول، مذکورہ ص ۸۰۔

[۳۶] محمد حسن، تفسیر معالمات الاسرار فی مکاشفات الاخبار جلد اول و دوم۔ مطبوعہ دہلی ۱۲۹۳ھ۔

لَّکُمْ اِنِّیٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(البقرہ۲:۳۳)

بودم باشما بہ تحقیق من فی دانم چیزہای کہ پوشیدہ انداز احوال وآنچہ مخفی است از امور زمین ومی دانم آنچہ شما ظاہری کنید وآنچہ شمامی پوشید ید۔[۳۵]

د۔محمد حسن بن کرامت علی امروہی (تاریخ وفات نامعلوم) کی فارسی تفسیر ''معالمات الاسرار فی مکاشفات الاخبار''[۳۶] دوجلدوں میں ۱۲۹۳ھ میں زیورِطبع سے آراستہ ہوئی۔ترجمے کا ایک حصہ یہ ہے:

وَ اِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ۔

(البقرہ۲:۴۹)

''ویاد کیند وقتی کہ نجات دادیم شمارا از آلِ فرعون فی دادند شمارا عذاب بد، ذبح فی کردند پسرانِ شمارا وزندہ فی داشتند زنانِ شمارا ودریں آزمایش بود عظیم از ربِ شما۔''[۳۷]

تیرھویں صدی ہجری میں اردو زبان نے فارسی کی جگہ لے لی۔تصنیف وتالیف کا کام اردو زبان میں ہونے لگا۔لہٰذا قرآن حکیم کے تراجم وتفاسیر بھی اسی زبان مین معرضِ تحریر میں آئے۔مذکورہ صدی میں فارسی میں تفسیر و تراجم کی تعداد بہت کم ہے۔

ناصرالدین ابوالمنصور (م۱۳۲۰ھ) کی تفسیر ''تجیل التنزیل''[۳۸] اور سید ابوالقاسم الرضوی (م۱۳۲۴ھ) کی تفسیر ''لوامع التنزیل''اس صدی کی مشہور فارسی تفسیریں ہیں۔اول الذکر کا ترجمہ شاہ ولی اللہ (م۱۱۷۶ھ) کے ترجمۂ قرآن سے مستعار ہے اور ثانی الذکر کے ترجمے کا ایک حصہ حسبِ ذیل ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔(البقرہ۲:۱۸۳)

''یعنی اے آنان کہ ایمان آوردہ اید نوشتہ شد برشما روزہ داشتن ایام صیام راچنانچہ مفروض بود روزہ برآنان کہ پیش از شما از انبیا واولیا بودند تاشما بسبب روزہ گرفتن تقوی پیشہ شوید واز مناہی ومحرمات پرہیزید۔''[۳۹]

---

[۳۷] مذکورہ،ج۱،ص۱۳۳۔

[۳۸] ج۱،مطبوعہ دہلی ۱۹۰۳۔

[۳۹] ۱۲۰۳ھ،ج۲،ص۲۰۰،مطبوعہ لاہور۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سید وصی مظہر ندوی

غیر مسلم حکومت میں مسلم اقلیت کا دعوتی کردار

اس موضوع سے متعلق ''اشراق'' کا نقطۂ نظر ہمارے قارئین پر واضح ہے۔ مولانا وصی مظہر صاحب ندوی نے اپنے اس مضمون میں ایک دوسری رائے پیش فرمائی ہے۔ اپنے قارئین کی تعلیم کے لیے ہم اسے بغیر کسی نقد کے یہاں شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر)

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس وقت ایک ارب سے زائد مسلمان موجود ہیں اور الحمد للہ ان کی اکثریت بیسویں صدی کے اختتام سے قبل غیر مسلم استعمار سے آزاد ہو کر ایسے خود مختار ۵۵ ممالک میں آباد ہے جن کی آبادی کی اکثریت بھی مسلمان ہے اور جہاں حکومت کے اختیارات بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ بلا شبہ ان ممالک میں آباد مسلمانوں اور ان کی حکومتوں کو اسلامی احکام وتعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا اور ان کے مجموعی کردار کو اسلامی معیار کے مطابق بنانا بہت بڑا کام ہے جس کے لیے صحیح خطوط پر زبردست جدوجہد کی ضرورت ہے۔ مگر اول تو اس سلسلہ میں مختلف تحریکیں، جماعتیں اور شخصیات پہلے ہی سرگرم عمل ہیں۔ دوسرے یہ کہ سردست یہ مسئلہ میرے موضوع بحث میں شامل نہیں ہے۔ میرا موضوع بحث اس وقت اس غیر مسلم اقلیت کی دینی اور شرعی ذمہ داریوں تک محدود ہے جو غیر مسلم حکومتوں میں آباد ہیں۔ پوری دنیا میں جن کی تعداد ایک اندازے کے مطابق مسلمانوں کی کل آبادی کا چالیس فی صد یعنی تقریباً چالیس پینتالیس کروڑ ہے۔

ایک تاریخی جائزہ

کتاب وسنت کی روشنی میں اور شرعی احکام کے مطابق ان کا لائحۂ عمل کیا ہونا چاہیے؟ انفرادی اور اجتماعی طور پر ان کے اسلامی فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ افسوس ہے کہ ان سوالات پر بہت کم غور کیا گیا ہے۔ ایک زمانہ تو وہ تھا جب مسلمان اور اسلام دنیا میں ایک غالب قوت کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس وقت یہ سارے مسائل سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ کیونکہ ایک صدی سے زائد تک

تو تمام مسلمان ایک ہی مسلم حکومت میں آباد تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد اہل اقتدار اگرچہ اسلامی تعلیمات سے بتدریج دور ہوتے چلے گئے تھے تاہم مسلمانوں کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات ـــــ حکمرانوں کے تقرر و انتخاب کے علاوہ ـــــ اسلامی شریعت کے مطابق ہی طے پاتے تھے۔ نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم تھا۔ حج باقاعدہ سرکاری اہتمام میں ادا کیا جاتا تھا۔ تمام مقدمات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کیا جاتا تھا اور استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر قاضی بالعموم کتاب و سنت کے مطابق آزادانہ فیصلے کرتے تھے۔ محاصل کی وصولی شریعت کے مطابق ہوتی تھی۔ اگرچہ محاصل کی آمدنی کے صرف میں حکمران شرعی احکام سے انحراف کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ باقاعدہ افواج کے علاوہ تمام مسلمان رضا کارانہ طور پر اسلامی ریاست کے دفاع کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ اس دور میں یہ تصور موجود ہی نہ تھا کہ مسلمان کسی غیر مسلم حکومت میں مستقل طور پر آباد ہوں گے صرف وقت ضرورت کے تحت البتہ کوئی مسلمان ''مستأمن'' کی حیثیت میں غیر مسلم ملک میں جاتا تھا اور تجارت وغیرہ کر کے واپس آجاتا تھا۔ غیر مسلم ملک میں رہتے ہوئے یہ ''مسأمن'' صرف انفرادی طور پر ادا کئے جانے والے اسلامی احکام کے مخاطب تھے۔ چنانچہ نکاح و طلاق اور وراثت کے ان احکام کے وہ مکلّف نہ تھے جن کے لیے قاضی کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ وہ باجماعت نماز ادا کرنے اور جمعہ کا اہتمام کرنے کے بھی پابند نہ تھے۔ دارالکفر میں ان کا قیام محض عارضی نوعیت کا ہوتا تھا۔ اس لیے اجتماعی فرائض اور ذمہ داریاں ان پر اسی وقت عائد ہوتی تھیں جب وہ دارالاسلام واپس آجائیں۔

لیکن دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے مسلمانوں کی یہ واحد سلطنت الگ الگ ملکوں میں تقسیم ہونا شروع ہوئی۔ اور زوال و انحطاط کی صدیوں میں بارہا ایسے حالات پیش آئے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے کئی شہر جو سرحدوں پر واقع تھے مختصر یا طویل عرصے تک غیر مسلم حکمرانوں کی قلمرو میں شامل ہو گئے اور اس طرح بعض اوقات بڑی بڑی مسلم آبادیاں غیر مسلموں کی حکمرانی میں رہنے پر مجبور ہوئیں۔ مگر ہمارے مسلم فقہا اور قانون دانوں نے ان کی اس حیثیت کو مستقل کبھی تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ ایک طرف انھوں نے ان آبادیوں کو دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی تائید کی تو دوسری طرف دارالاسلام کے مسلمانوں کو پابند کیا کہ وہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کریں اور ان مسلمان آبادیوں کو پھر سے دارالاسلام میں شامل کرنے کی جدوجہد کریں۔ حتیٰ کہ ان بستیوں کے قریب رہنے والے مسلمان اگر اس فریضہ کو ادا کرنے سے قاصر رہ جائیں تو تمام عالم اسلام کے مسلمانوں پر اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فرض کفایہ کی ادائیگی درجہ بدرجہ لازم ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن یہ صورت حال اس وقت یکسر بدل گئی جب ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں، فرانسیسوں، ولندیزیوں اور پرتگالیوں نے ایشیا کے بڑے بڑے مسلمان ملکوں پر قبضہ جما لیا۔ بڑی بڑی مسلم آبادیاں غیر مسلم حکمرانوں کے زیرنگیں چلی گئیں۔ اور کوئی ایسا دارالاسلام باقی نہ رہا جہاں ان علاقوں میں آباد مسلمان ہجرت کر کے چلے جائیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان ملک ان کروڑوں مسلمانوں کو اپنی حدود میں آباد کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے قبل بھی اسپین (اندلس) پر اگرچہ غیر مسلموں کا مکمل غلبہ ہو گیا تھا مگر یہ غلبہ جس تدریج سے ہوا تھا اسی تدریج سے عام مسلم آبادی کا انخلا بھی ہوتا رہا حتیٰ کہ جب اندلس پر عیسائی غلبہ مکمل ہوا تو وہاں سے مسلمانوں کا بھی صفایا ہو چکا تھا۔ اس لیے اس وقت یہ مسئلہ پیدا نہ ہوا۔

مگر آج ۴۵ کروڑ کے قریب مسلم اقلیت کی بڑی بڑی آبادیاں غیر مسلم اقتدار کے تحت زندگی گزار رہی ہیں۔ اس صورت حال کا حل اسلامی فقہ کے اس شان دار اور قیمتی ذخیرے میں بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا جو مسلمانوں اور اسلام کے غلبہ کے دور میں بڑی عرق ریزی اور دیدہ وری سے جمع کیا گیا تھا۔ چنانچہ مسلم اقلیتوں کو اس صورت حال سے نکلنے کا راستہ معلوم کرنے کے لیے براہ راست کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہو چکا ہے، کیونکہ قیامت تک نمودار ہونے والے حالات کے لیے اسی ابدی سرچشمۂ ہدایت سے رہنمائی مل سکتی ہے۔

کتاب وسنت کی رہنمائی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب ۳۳:۲۱)

”اللہ کے رسول (کی زندگی) تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔“

چنانچہ منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زندگی گزاری اس کے اندر ہر قسم کے حالات کے لیے بہترین رہنمائی موجود ہے۔ جو درحقیقت قرآن حکیم کی تعمیل وتفسیر ہے۔ اس لیے ہم کو غیر مسلم اقتدار میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کرنے کے لیے بھی کتاب اللہ اور اسوۂ رسول ہی سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں اپنے عظیم کام کا آغاز کیا اس وقت آپ مکہ اور عرب ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں بالکل تنہا تھے۔ دنیا میں ہر جگہ کفر ہی کفر تھا۔ ان حالات میں آپ نے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کام کا آغاز دعوت سے کیا۔

دعوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے تین اجزا تھے۔

۱۔رب العلمین خالق کائنات کی بڑائی پر ایمان لا کر اسی کی عبادت اور بندگی بجالانا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. (المدثر ۷۴:۳)

''اور اپنے رب ہی کی بڑائی کر۔''

يَـاَيُّهَـا النَّـاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَـلَـقَـكُـمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲:۲۱)

''اے لوگو، بندگی اپنے اس رب کی اختیار کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم (دنیا اور آخرت کی) ناکامی سے بچو۔''

۲۔موت کے بعد کی زندگی پر ایمان جس میں اس دنیا کے تمام کاموں کا حساب دینا ہوگا۔

سورۂ مطففین میں ارشاد ہے:

اَلَا يَـظُـنُّ اُولٰٓـئِكَ اَنَّهُـمْ مَّبْعُوْثُوْنَ. لِيَـوْمٍ عَـظِيْمٍ. يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (المطففین ۸۳:۴-۶)

''کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ ان کو ایک عظیم الشان دن (پیشی) کے لیے اٹھایا جائے گا۔ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے پیش ہوں گے۔''

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے ابتدائی زمانے میں اپنے قریبی اعزا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

انـكـم تـموتن كما تنامون ثم لتبعثن كـمـا تستيـقـظون ثم لتحا سبن بما تـعـمـلـون ثـم انهـا للجنة ابدا والنار ابدا.

''بے شک تم اسی طرح (ایک دن) مر جاؤ گے جس طرح تم (روز) سو جاتے ہو پھر تم کو ضرور اٹھایا جائے گا۔ جیسے کہ جاگ جاتے ہو پھر تم سے تمھارے اعمال کا ضرور حساب لیا جائے گا۔ پھر یا تو ہمیشہ کی جنت ہے یا ہمیشہ کی آگ۔''

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اطاعت کرنا اور اپنی زندگی کا تزکیہ کرنا (یعنی برائیوں کو چھوڑنا اور نیکیوں کو اختیار کرنا)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

يٰسٓ. وَالْـقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ. اِنَّكَ لَمِنَ الْـمُـرْسَـلِيْنَ. عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. تَـنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ. لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ.

(یسین ۳۶:۱-۶)

''یسین ، قرآن حکیم گواہ ہے کہ تم رسولوں میں سے ہو۔ سیدھی راہ پر۔ (یہ قرآن) غالب اورنہایت مہربان کی طرف سے نازل کردہ ہے، تاکہ تم ایسی قوم کو باخبر کردو جن کے بزرگوں کو باخبر نہ کیا گیا تو وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

ایک دعوتی خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یـا ایهـا الـناس انی رسول الله الیکم جمیعا والی الناس کافة.

''اے (میرے مخاطب) لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھی۔''

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى.

(الاعلیٰ ۸۷:۱۴)

''کامیاب ہوا وہ جس نے پاکیزگی کا راستہ اختیار کیا۔''

دعوت کو پھیلانے میں حکمت

البتہ دعوت کو پھیلانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت کو ضرور پیش نظر رکھا۔ چنانچہ عام لوگوں سے پہلے جن کی طرف سے سخت مزاحمت اور مخالفت کا اندیشہ تھا آپ نے ان لوگوں کو دعوت پہنچائی جن سے آپ کے ذاتی تعلقات تھے یا جو آپ کے زیر اثر تھے اور جن کی طرف سے توقع تھی کہ وہ آپ کی دعوت کو بآسانی قبول کرلیں گے۔ ان میں سے سب سے پہلے آپ کی شریک حیات ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ تھیں ، انھوں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم ذمہ داری کو پورا کرنے میں کامیابی کا یقین دلایا۔ اوراس سلسلہ میں آپ کے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا حوالہ دے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مشکل کام کی تکمیل کے سلسلہ میں ہرگز بے یارو مددگار نہ چھوڑے گا۔

دوسرے آپ کے خاص رفیق اور دوست سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ میں نے جس جس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی ان میں سے ہر شخص نے کچھ نہ کچھ تردد ظاہر کیا۔ البتہ ابوبکر اس سے مستثنیٰ ہیں کہ جب میں نے ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی تو انھوں نے کسی تامل کے بغیر بلا پس و پیش میری دعوت

کو قبول کیا ۔

تیسرے آپ کے زیر تربیت آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علی ہیں جن کی عمر اس وقت صرف ۹ سال تھی ۔

چوتھے آپ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید ہیں یہ وہ ابتدائی لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کی دعوت قبول کی ۔

خاموشی سے دعوت پھیلانے کا یہ مرحلہ تین سال تک جاری رہا اس مدت میں اچھی خاصی تعداد نے اسلام کی دعوت قبول کر لی تب عام دعوت پیش کرنے کا مرحلہ شروع ہوا تاہم دعوت میں حکمت کو ملحوظ رکھنے کے باوجود آپ نے کسی بھی مصلحت کی خاطر اپنی دعوت کے تین نکات میں کسی طرح کی ترمیم یا مداہنت قبول نہ کی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی حفاظت کا یقین دلاتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ ۵:۶۷)

''اے نبی، جو پیغام تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتارا گیا ہے اس کو پہنچا دے ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو، تم نے اللہ کے پیغام کو نہ پہنچایا اللہ تمھیں لوگوں کی دست درازی سے محفوظ رکھے گا۔''

دعوت میں انہماک اور سرگرمی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر کام سے زیادہ آپ کی توجہ دعوت پھیلانے کے کام کی طرف تھی ۔ اس سلسلہ میں آپ کا انہماک اور آپ کی سرگرمی اس قدر زیادہ تھی کہ خود اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف انداز میں اس سرگرمی کی شدت کو اعتدال میں لانے کی ہدایت فرمائی ۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا. (الکہف ۱۸:۶)

''اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو شاید افسوس کی وجہ سے آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہی دے دیں گے۔''

اس سرگرمی کی اصل وجہ کی طرف اگرچہ اشارہ خود آیت میں موجود ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کئی دعوتی خطبوں میں اس کو مزید واضح کیا ہے ۔ چنانچہ جبل ابوقبیس پر جب نبی صلی اللہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

علیہ وسلم نے قریش کے ایک ایک خاندان کو پکار کر جمع کیا تو آپ نے فرمایا تھا:

''میں قبیلے کا فرد ہوں جو کسی حملہ آور دشمن کو دیکھ لینے کے بعد اپنے کپڑے چاک کر کے اپنے قبیلے کو حملہ آور دشمن کے خطرے سے آگاہ کرتا ہے۔آپ کے الفاظ تھے: انا النذیر العریان (میں تمھارے لیے ویسا ہی خبردار کرنے والا ہوں جیسا کپڑے پھاڑ کر دشمن کے حملے سے خبردار کرنے والا ہوتا ہے۔)''

ایک اور موقع پر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''قافلے سے آگے جا کر منزل کا پتا کرنے والا خود اپنے اہل خاندان کو کبھی جھوٹی رپورٹ (اطلاع) نہیں دیتا۔ خدا کی قسم اگر تمام دنیا سے میں جھوٹ بولتا تو (کم از کم) تم سے تو جھوٹ نہ بولتا۔ اور اگر میں تمام دنیا کو دھوکا دیتا تو (کم از کم) تم کو تو دھوکا نہ دیتا۔ میں تم کو ایک شدید عذاب آنے سے قبل سب سے پہلے باخبر کر رہا ہوں۔''

ایک اور خطبے میں آپ نے فرمایا:

''جس طرح کیڑے، مکوڑے اور پروانے آگ میں ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہیں۔ اور جل جل کر مرتے ہیں اسی طرح اے لوگو تم بھی جہنم کی آگ کی طرف لپک رہے ہو اور میں تم کو تمھاری کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے گرنے سے بچا رہا ہوں۔''

ان خطبات اور دیگر قرآنی آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دعوت کی بنیاد انسانی ہمدردی اور انسان کی تباہی سے بچانے کا جذبہ ہونا چاہیے۔ خاص طور پر وہ تباہی جس کا سامنا مرنے کے بعد ابدی زندگی میں ہونے والا ہے۔

دعوت کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسوہ ابھی بیان ہوا ہے اس سے حسب ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

ا۔ مسلمان جب کسی غیر مسلم معاشرے میں اقلیت میں ہوں حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان بالکل ہی تنہا ہو تو ان کو سب سے بڑھ کر دعوت و تبلیغ میں سرگرم ہونا چاہیے۔ دعوتی سرگرمی کا اصل معیار یہ ہے کہ داعی کے نزدیک دعوت دینے کا کام اپنی جان سے زیادہ عزیز اور اس کے ہر دوسرے کام پر مقدم ہو اور ظاہر ہے کہ کسی غیر مسلم معاشرے میں ہر مسلمان پر دعوت کی ذمہ داری زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسلامی ریاست میں دعوت الی الخیر کی بڑی ذمہ داری ریاست پر عائد ہو جاتی ہے جبکہ افراد اپنے اختیارات ریاست کے سپرد کر کے بڑی حد تک بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دعوت کے بنیادی اصولوں (توحید، روز جزا اور رسالت پر ایمان) کو پیش کرنے میں کسی قسم

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کی مداہنت کی گنجایش نہیں۔

۳۔ اس دعوت کا محرک انسانیت کے ساتھ گہری ہمدردی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ جس کی وجہ سے آدمی بے چین ہو کر تباہی کی طرف جانے والے ہر ہر شخص کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ داعی کفر اور گمراہی سے ضرور نفرت کرتا ہے۔ مگر کافر اور گمراہ سے ہمدردی رکھتا ہے۔ اور اس کو برے انجام سے بچانے کے لیے سخت فکر مند ہوتا ہے۔

۴۔ اصل تباہی جس سے بچانا داعی کا مقصود ہوتا ہے اور ہونا چاہیے وہ آخرت کی تباہی اور نامرادی ہے۔

(جاری)

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

''اشراق'' کے نام خطوط میں پوچھے گئے
سوالات پر مبنی مختصر جوابات کا سلسلہ

جہاد کی تمنا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ جو شخص بغیر جہاد یا شہادت کی تمنا کیے فوت ہوا اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں؟ (سید بلیغ الدین، کراچی)

جواب: آپ نے جو الفاظ لکھے ہیں بعینہٖ اس معنی کی روایت مجھے سر دست نہیں ملی۔ ممکن ہے صحاح، مسند احمد، موطا اور دارمی کے علاوہ کسی اور کتاب میں یہ الفاظ بھی ہوں۔ بہر حال اس سے ملتے جلتے مضمون کی روایت حسب ذیل ہے:

عن ابی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من مات ولم يغز ولم يحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق.

(مسلم، کتاب الامارہ، باب ۴۷)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مر گیا لیکن کسی جنگ میں شرکت نہ کی اور اس کے دل میں بھی اس کا خیال نہ تھا وہ نفاق کے ایک جز پر مرا۔''

مسلم نے یہاں اس حدیث کے بارے میں عبداللہ بن مبارک کی رائے بھی درج کی ہے۔ 'قال عبد اللّٰه بن المبارك فنری ان ذلك كان علی عهد رسول صلی اللّٰه عليه وسلم' (عبداللہ مبارک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ معاملہ عہد رسالت سے متعلق ہے) اس روایت کے الفاظ پر غور کریں تو عبداللہ بن مبارک کی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال جہاد کے افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور شہادت

کی موت بہترین موت ہے۔ بشرطیکہ جہاد اسلامی قانون کے مطابق کیا جائے۔

بیعت کے مسائل

سوال: بیعت سے کیا مراد ہے؟ اس کی کتنی قسمیں؟ (سید بلیغ الدین، کراچی)

جواب: بیعت اپنے عرف میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کسی بات کا عہد و اقرار کرنے کا نام ہے۔ یہ ایک عام لفظ ہے یہ کوئی اصطلاح نہیں اور نہ اس کی کوئی دینی حیثیت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین نے اپنے زمانے میں یہی طریقہ اپناتے ہوئے بیعت سمع و طاعت لی ہے۔ موجودہ زمانے میں اسی غرض کے لیے حلف برداری کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور اس کے لیے کوئی اور طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بیعت یا عہد حکمران کے سوا کوئی اور نہیں لے سکتا۔ بیعت کی ایک قسم ہمارے ہاں بھی بیعت ارشاد کے نام سے رائج ہے۔ یہ اصطلاح خود ساختہ ہے اور اس کا بھی دین سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بیعت اگر غور کریں تو پیغمبر ہی لے سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ہادیِ برحق ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ عام علما و مصلحین درحقیقت معلمین ہیں اور ان کا اپنے سننے والوں سے تعلیم وتعلم کے سوا کوئی اور تعلق نہیں۔ اس کے لیے ظاہر ہے کسی بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔

جاہلیت کی موت

سوال: کیا بیعت کے بغیر موت جاہلیت کی موت ہے؟ (سید بلیغ الدین، کراچی)

جواب: یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اسلامی ریاست کے شہریوں کو اپنے نظام کا پابند ہونا چاہیے۔ یہی حقیقت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اسالیب میں واضح کیا ہے۔ بخاری میں ہے 'من خرج من السلطان شبراً مات میتة الجاهلیه' (''جو اقتدار سے بالشت برابر بھی باہر نکلا وہ جہالت کی موت مرا۔'' کتاب الفتن، باب۲) یہی بات 'من فارق الجماعه' (''جس نے نظم اجتماعی سے علیحدگی اختیار کی۔'' ایضاً) کے الفاظ میں بھی ہے۔ اسی طرح مسلم میں ہے:... من خلع یداً من طاعة لقی اللّٰه یوم القیامة لاحجة له ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔ (''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا وہ اللہ سے قیامت کے دن اس طرح ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی جس کے گلے میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' کتاب الامارہ، باب ۱۳)

یہ بھی درحقیقت اسلامی ریاست کی وفاداری کی تعلیم اور اس کے خلاف بغاوت اور انتشار کی مذمت ہے۔ اس کا کسی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پیر کی بیعت یا کسی انقلابی جماعت کی بیعت سمع وطاعت سے کوئی تعلق نہیں۔

روحانی عمل

سوال: بچپن میں روحانی بزرگوں کے معجزات سنتے آ رہے ہیں۔ ایک بزرگ مٹی میں گر گئے، مٹی ان کے منہ شکر بن گئی۔ ایک بزرگ نے چھڑی ماری وہاں سے پانی پھوٹ پڑا۔ کئی صدیوں سے چشمہ بہ رہا ہے ایک موروں والے پیر ہیں۔ وہاں مور ہی مور ہیں جو ان کو پکڑنا چاہتا ہے، اندھا ہو جاتا ہے۔ کسی کے پاس مؤکل ہے وہ اس کو حاضر کر کے آپ کی مشکل یا گم ہونے والی چیز بتا دے گا۔ ستاروں کی مدد سے زائچے بنائے جاتے ہیں۔ ہاتھوں کی لکیروں سے مستقبل کے حالات بتا دیے جاتے ہیں۔ اگر یہ سب کچھ درست ہے تو پھر خدا کا وجود، روح، تقدیر، رزق کا معاملہ، فرشتوں کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔ میرے نزدیک یہ سب باتیں شرک کے زمرے میں آتی ہیں۔ یہ لوگوں کو جنوں کا چمٹنا، جادو کا اثر، تعویزوں کا موثر ہونا، موکلوں اور ستاروں کا علم سب فراڈ ہیں۔ یہ میری سوچ ہے۔ لیکن بعض تاریخی واقعات میری سمجھ میں نہیں آتے۔ مثلاً حضرت عمر کے رقعے سے دریاے نیل میں پانی آ جانا۔ نبی پاک پر تعویز کا اثر ہونا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں کے پاس ستاروں اور فلکیات کا علم ہونا، فرعون کے پاس حضرت موسیٰ کے ہاتھوں تباہ ہونے کی پیشین گوئی ہونا۔ میرے نزدیک یہ علم تھا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ چھین لیا گیا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب: اس سارے معاملے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کچھ چیزوں کی حقیقت الگ الگ سمجھ لی جائے۔ ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں اللہ کی کتاب ہے۔ اس کی مدد سے ہم بآسانی اس طرح کی الجھنوں کو حل کر سکتے ہیں۔ غیر معمولی واقعات کا ظہور، غیب دانی، شعبدہ بازی، کلمات کی تاثیر، جادو، ٹونے ٹوٹکے، ستارہ شناسی، دست شناسی، علم جفر اور علم اعداد وغیرہ سب کے بارے میں ہمیں الگ واضح رائے قائم کر لینی چاہیے اور ایسا کرنا جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے قرآن مجید کی مدد سے بآسانی ممکن ہے۔

بطور اصول قرآن مجید یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ دنیا کی کوئی ہستی (سوائے اللہ تعالیٰ کے) ماوراے اسباب، موثر اور کارفرما نہیں ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک 'الٰہ' صرف اللہ تعالیٰ ہے اور 'الٰہ' عربی زبان میں اس ہستی کو کہتے ہیں جو اسباب کے بغیر واقعات ظہور میں لا سکتی ہو۔ اسی طرح قرآن مجید اس بات کی بھی تردید کرتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی ہستی یا کسی مخلوق کو اپنی اس الوہیت

میں کسی درجے میں شریک کیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ یہود اور اہل عرب کے اسی طرح کے عقائد کو غلط قرار دیتا اور تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس کی دلیل میں خدا کے کسی بیان کا حوالہ دیں ورنہ یہ محض خود ساختہ خیالات ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خدا کے انبیا کے صحائف اس طرح کے کسی بیان سے بالکل خالی ہیں۔

دوسری بات قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ 'جبت' پر ایمان کفر ہے۔ جبت کا لفظ ان تمام امور کے لیے بولا جاتا ہے جن کے لیے ہمارے ہاں، شگون، ٹونے ٹوٹکے اور اسی طرح ستارہ شناسی، دست شناسی اور علم جفر، رمل اور علم اعداد وغیرہ کے الفاظ رائج ہیں۔

تیسری بات قرآن مجید نے یہ بتائی ہے کہ انسان اپنے مستقبل سے واقف نہیں ہوسکتا۔ سورۂ لقمان کی آیت ۳۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'وما تدری نفس ما ذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت' (کسی کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا۔ اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔)

یہاں بھی درحقیقت دنیا کے اسباب کے بغیر علم ہی زیر بحث ہے۔ ہر پہلی کو ملنے والی تنخواہ کا علم اور قریب المرگ آدمی کے بارے میں یہ جان لینا کہ یہ اب رخصت ہونے والا ہے، درحقیقت معلوم کا علم ہے۔ اس کا غیب یا مستقبل بینی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں یہ پہلو بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ افراد اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بالکل ممکن ہے کہ کوئی آدمی مستقبل کا اندازہ لگانے میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو۔ اور بعض چیزوں کے بارے میں اس وقت کوئی بات بتا دے جب دوسرے اندازہ نہ لگا سکتے ہوں۔ یہ بھی اپنی حقیقت میں غیب دانی نہیں ہے۔

ان تین بنیادی امور کے جان لینے کے بعد ہم یہ طے کر سکتے ہیں کہ مستقبل بینی سے متعلق تمام علوم، شگون، ٹونے، ٹوٹکے اور اوہام یہ سب چیزیں بالکل بے حقیقت ہیں۔

ان کے بعد تین چیزیں باقی ہیں۔

۱۔ غیر معمولی واقعات کا ظہور

۲۔ کلمات کی تاثیر

۳۔ جنوں کے اثرات

۱۔ اللہ کے تصور کے ضمن میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کوئی ہستی (سوائے اللہ تعالیٰ کے) ماورائے اسباب واقعات ظہور میں نہیں لاسکتی۔ چنانچہ انبیا کے سوا کوئی خلاف عادت واقعہ اگر کسی کی نسبت سے اس کے ارادی عمل کی حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے تو وہ ناقابل قبول ہے۔

۲۔قرآن مجید کے دومقامات سے اس علم کے ہونے کا ثبوت ملتا ہے ایک مقام سورۂ بقرہ ہے جہاں ہاروت و ماروت کے ذریعے سے سکھائے گئے علم کا ذکر ہوا ہے اور دوسرا مقام سورۂ فلق ہے۔ جس میں 'من شر النفثات فی العقد' کے الفاظ میں اس طرح کے اعمال کے مؤثر ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ علم دوطرح کا ہے ایک کا تعلق شیاطین جنات سے ہے۔ یہ علم گناہ ہے۔ دوسرے کا تعلق پاکیزہ کلمات کی تاثیر سے ہے۔ یہ علم فرشتوں کا سکھایا ہوا ہے۔ اس کی باقیات غالباً اب بھی دنیا میں موجود ہیں۔ بالعموم ان دونوں (شیاطین اور فرشتوں کے سکھائے ہوئے) علوم میں فرق نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اس سے متعلق اشخاص پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ان حضرات کا ظلم یہ ہے کہ یہ ان علوم کے ذریعے سے انجام دیے گئے معاملات کو اپنی پارسائی اور نیکی کا نتیجہ اور اپنے خدا کے مقرب ہونے کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ یہ بات سرتاسر غلط ہے اور اوپر 'الف' سے متعلق بحث سے اس تصور کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے۔ غیر معمولی واقعات کے ضمن میں ہم نے صرف انبیا کے حوالے کو درست قرار دیا ہے۔ اگر کوئی عامل اس علم کے ذریعے سے کوئی عمل کرتا ہے تو یہ درحقیقت اسباب کے تحت کیا گیا عمل ہے۔ جب کہ انبیا صرف خدا کے اذن سے معجزات دکھاتے ہیں۔

۳۔ جنات کے عمل دخل کے بارے میں بھی قرآن مجید واضح ہے۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کاہنوں کا کاروبار بالعموم شیاطین کے سہارے چلتا ہے۔ اس طرح یہ شیاطین لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو شیاطین کے سپرد کر دے تو یہ اس پر مسلط بھی ہو جاتے ہیں۔ سورۂ زخرف کی آیت ۳۶ میں ہے: 'و من یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فهو له قرین' (جو خدا کے ذکر سے اعراض کر لیتا ہے۔ تو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔)

قرآن مجید اس معاملے میں خاموش ہے کہ آیا ان شیاطین سے خود رابطہ ممکن ہے یا نہیں۔ لہٰذا ہم اس کی تردید یا توثیق کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

جہاد کی حقیقت

سوال: ایک طرف ہمارے مذہب میں دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کی تعلیمات ہیں۔ دوسری طرف صبر اور بھائی چارے کا درس ہے۔ جہاد کا دائرہ کیا ہے اور موجودہ جہادی سرگرمیوں کی کیا حقیقت ہے؟ (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب : جہاد کا تعلق ریاست سے ہے۔ یہ بات امت کے تمام علما میں متفق علیہ ہے۔موجودہ زمانے میں اس جہاد کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر فرقہ دارانہ چپقلشوں سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ یہ بات بالکلیہ غلط ہے۔اسلام اس معاملے میں امن، بھائی چارے اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔قرآن مجید کے جہاد سے متعلق تمام احکام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی حکومتیں صرف دفاع کے لیے جنگ لڑیں گی یا مظلوم کی مدد کے لیے میدان میں اتریں گی۔ یہ دونوں کام امیر ریاست کے حکم کے بغیر ریاست کے افراد اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں کر سکتے۔

جنات میں پیغمبروں کی بعثت

سوال :اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی نبی آئے وہ سب انسانوں میں سے تھے۔قرآن مجید میں بھی خطاب انسانوں سے ہے۔جس طرح انسانوں کی آبادی ہے اسی طرح جنوں کی بھی ہوگی۔سنا ہے جس طرح ہم قرآن پڑھتے ہیں اسی طرح جنات بھی پڑھتے ہیں۔ نبی پاک کے وقت وحی الٰہی جنوں تک کیسے پہنچتی تھی کیا نبی پاک جنوں سے خود مخاطب ہوتے تھے اور کیا وہ ان کو دیکھتے تھے۔انسان تو اپنے تعصب کی وجہ سے دوسرے فرقے کی مسجد میں نہیں جاتا! کیا جنات میں یہ چیز موجود نہیں کہ اللہ نے ہم میں سے نبی اور رسول کیوں نہیں بھیجے؟

کیا جنات انسانوں میں ہی رہتے ہیں جس طرح ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے کیا وہ بھی ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔کیا وہ انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔کیا جنات کسی جگہ پر آباد ہیں۔کیا ان کی بھی ریاستیں اور ملک ہوتے ہیں۔کیا وہ بھی ہماری طرح آزمایش میں ہیں؟'' (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب : ہمارے پاس جنات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا قرآن مجید کے سوا کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں ہے۔قرآن مجید نے جنات کے بارے میں کچھ ہی چیزیں بیان کی ہیں۔ میں ان کو بیان کر دیتا ہوں۔ جنات کے بارے میں ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔دوسری یہ کہ وہ انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں اور انسان انھیں نہیں دیکھ سکتے۔تیسری یہ کہ وہ بھی آزمایش میں ڈالے گئے ہیں اور ان میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ چوتھی یہ کہ وہ انسانوں کے ذہن میں اپنی باتیں ڈالنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔پانچویں یہ کہ وہ آسمانوں میں اس مقام کے قریب پہنچ جاتے ہیں جہاں فرشتے رہتے ہیں۔چھٹی یہ کہ ان کے کسی گروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن کرتے ہوئے سنا تھا اور اس کے پیغام سے متاثر ہوئے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تھے۔ساتویں یہ کہ جس طرح انسان کے لیے انسان پیغمبر ہیں، جنات کے لیے جنات پیغمبر ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ کسی انسان پیغمبر کے امتی نہیں ہوتے البتہ انھیں اگر کسی انسان کے پیغمبر ہونے کا علم ہو تو وہ اپنی حق پرستی اور صالحیت کی بنا پر اس کی تصدیق کرتے ہیں۔آٹھویں یہ کہ قیامت کے بعد انھیں بھی سزاو جزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ یا تو خودساختہ ہے یا انسانوں کے تجربات کا نتیجہ۔ اس میں جو چیز قرآن مجید کی دی ہوئی ان معلومات کے خلاف ہو، اسے درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

خدا کے خاص بندے

سوال: انسان کو کس طرح پتا چلتا ہے کہ غیبی طاقت میرے ساتھ ہے۔مولانا ابوالحسن علی ندوی ایک عالم کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ کا خاص تعلق بیک وقت بہت سے بندوں سے ہوتا ہے لیکن خاص الخاص تعلق بس کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔اس کی وضاحت کر دیں۔مزید برآں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت کے بارے میں بھی وضاحت کر دیں؟ (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب: قرآن مجید میں یہ بات بڑی تفصیل سے زیر بحث آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے اور وہ کس طرح اپنے بندوں کی مدد کرتے ہیں۔لیکن یہ کہیں نہیں بتایا کہ انبیا و رسل کے علاوہ بھی کوئی شخصیات خاص تعلق پیدا کر لیتی ہیں۔درحقیقت یہ ساری بات بے حقیقت ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عالم دین

سوال: عالم دین کسے کہتے ہیں؟ (ڈاکٹر خالد عاربی، گجرات)

جواب: عالم دین ہونا ایک استعداد کا نام ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی براہ راست قرآن و سنت کا مطالعہ کر سکتا ہو اور تفسیر، حدیث، فقہ اور سیرت کی اہم کتب پر اس کی نظر ہو۔داعی بننے کے لیے ایک مزید شرط یہ ہے کہ وہ اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے داعی ہو اور دینی عقائد کے قرآنی استدلال اور شریعت کی حِکَم و مصالح سے بخوبی آگاہ ہو۔

نکاح

سوال: نکاح میں کتنے فرض ہیں، کیا خطبہ اور دعا نکاح کا حصہ ہے؟ (حفیظ الرحمٰن بغدادی، میر پور)

جواب : نکاح میں بنیادی امور دو تین ہی ہیں مثلاً دلہا دلہن کا ایجاب وقبول، اس نکاح کا اعلان عام اور مہر کا تقرر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لیے اسی طریقے کو قائم رکھا جو بنی اسماعیل میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے جاری کیا تھا۔ یعنی اعزہ واحباب کا اجتماع۔ اس میں برسرعام ایجاب وقبول، دلہا کے ولی کا خطاب، نئے گھر کے استحکام اور خیر و برکت کی دعا اور مہمانوں کی تواضع (مثلاً کھجور یا چھوہارے وغیرہ)۔ یہ تمام چیزیں خیر و برکت کی حامل ہیں۔ یہی طریقہ ہماری امت میں بھی قائم ہے اور اسے قائم رہنا چاہیے۔ باقی رہا دستاویز لکھنا، گواہوں یا وکیلوں کا تقرر وغیرہ تو یہ تدبیر کی چیزیں ہیں انھیں اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حق مہر

سوال: حق مہر کے معنی کیا ہیں؟ کیا بیوی مہر معاف کر سکتی ہے؟ (حفیظ الرحمٰن بغدادی، میر پور)

جواب: مہر کا لفظ اس طے شدہ رقم یا جنس کے لیے بولا جاتا ہے جو شوہر نکاح کے موقع پر اپنی بیوی کو پیش کرتا ہے۔ یہی اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ مہر کے تقرر کے لیے شریعت میں کوئی چیز طے نہیں کی گئی، نہ جنس کی صورت میں اور نہ نقدی کی صورت میں۔ حضور کی ازواج اور بیٹیوں کے مختلف مہر مقرر ہوئے اور یہی طریقہ رائج رہنا چاہیے۔ بیوی مہر معاف کر سکتی ہے۔ لیکن یہ مردانگی کے منافی ہے کہ ابتدا ہی بیوی سے مہر معاف کرانے سے کی جائے۔ بہتر یہی ہے کہ مہر اتنا ہی باندھا جائے، جتنا مرد ادا کر سکتا ہے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ وہ زیور جو دلہا والوں نے دلہن کے لیے بنائے ہیں مہر میں ادا کر دیے جائیں۔ اس طریقے سے کم آمدنی والے شوہروں پر اضافی بوجھ نہیں پڑتا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

شیخ اکبر

سوال : آپ لوگ ابن عربی کا حوالہ کیوں دیتے ہیں؟ روحانیت میں اگرچہ انھیں شیخ اکبر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن علما انھیں شیخ اکفر قرار دیتے ہیں۔ ان کی تعلیمات حق پر مبنی نہیں ہیں چنانچہ ان کا حوالہ نہ دیا کریں؟ (حفیظ الرحمٰن بغدادی، میر پور)

جواب : آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ''اشراق'' میں ان کے حوالے دینے کی وجہ ان کی تائید نہیں تھی، بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ ان کے افکار میں کیا غلطی ہے۔ باقی رہا انھیں ''اکفر'' قرار دینا تو یہ بات دین کے مزاج کے خلاف ہے۔ ہمارا کام یہی ہے کہ ہم ان کے افکار و آرا پر تنقید کریں اور ان کی غلطی واضح کریں اور اس

میں بھی اسلوب بیان شایستہ اور مہذب ہو۔

آزمایش

سوال: قرآن مجید میں سورۂ بقرہ سمیت متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مالی اور جانی نقصانات کے ذریعے سے آزماتے ہیں۔ دین کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے اور انسان کو آزمایش کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مگر قرآن ہی میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسان کو جس مصیبت سے بھی واسطہ پڑتا ہے وہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور ہر بھلائی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اسے آزمایش سمجھے یا اپنے اعمال کا نتیجہ؟ (صفتین، راولپنڈی)

جواب: بنیادی طور پر یہ دنیا آزمایش کے لیے ہے۔ چنانچہ ہر نعمت اور نقمت، شکر اور صبر کے امتحان کے لیے ہے۔ آپ نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے وہ خاص سیاق وسباق میں ہیں مثلاً سورۂ بقرہ میں جہاں جان و مال کے نقصان کی آزمایش بیان ہوئی ہے وہاں مدینے میں اصلاً صحابہ کو درپیش مخصوص حالات کا معاملہ زیر بحث ہے۔ سورۂ شوریٰ میں 'و ما اصابکم من مصیبة فبما کسب بایدیکم' (تمھیں جو بھی مصیبت آتی ہے تو اس کا سبب تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت ہیں) کی آیت میں بھی ''تمھیں'' سے مراد اصلاً کفار ہیں۔ قرآن مجید کے ان مقامات سے ضمنی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض اوقات ہمارے کسی گناہ پر بطور تنبیہ بھی سختی کی جاتی ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی کسی مشکل سے اس کا آزمایش ہونے کا پہلو منفک نہیں ہوتا۔

اللہ کی صفات سے نام رکھنا

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں پر بندوں کے نام رکھے جا سکتے ہیں، مثلاً رافع، حکیم وغیرہ؟ (صفتین، راولپنڈی)

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات جن الفاظ میں بیان ہوئی ہیں، وہ عربی زبان کے عام الفاظ ہیں۔ یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اور حضور کے بعد بھی انسانوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان پر نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ صفات اپنی مطلق حیثیت میں کسی انسان میں نہیں پائی جاتیں، البتہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات مطلق حیثیت میں موجود ہیں۔ چنانچہ اب 'رحیم' تو کوئی شخص بھی ہوسکتا ہے لیکن 'الرحیم' نہیں ہوسکتا۔ یہی بات نام رکھنے میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔ البتہ رحمان کے بارے میں واضح رہنا چاہیے کہ اس صفت سے کسی کا نام نہیں رکھا جاسکتا۔ اس لیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

جنت کا انعام

سوال: قرآن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے کہ انسان (مرد) کو وہاں خوب صورت عورتیں اور حوریں انعام کے طور پر ملیں گی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس سے (نعوذ باللہ) عورت کی تضحیک کا پہلو نہیں نکلتا؟ کیا وہ محض اس قابل ہیں کہ اسے بطور انعام استعمال کیا جائے؟ (صفتین، راولپنڈی)

جواب: آپ کا سوال محض ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ قرآن مجید میں یہ بات بطور اصول بیان ہوئی ہے کہ جنت میں تمھارے لیے مطہر جوڑے ہوں گے: 'ولکم فیھا أزواج مطھرۃ' اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ یہ بات قرآن مجید کے پاکیزہ اسلوب سے مناسبت نہیں رکھتی کہ وہ عورتوں کا ذکر کر کے ان کے جوڑے کا معاملہ زیر بحث لاتا، البتہ مردوں کا ذکر کر کے ان کے جوڑے کا ذکر کرنا موزوں تھا لہٰذا اسی کا ذکر کیا گیا۔ جنت میں مردوں اور عورتوں دونوں کو پاکیزہ ساتھ میسر آئیں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شریعت اور قرآن

سوال: رسول شریعت لے کر آتا ہے۔ اس کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ جبکہ آپ کے نظریہ کے مطابق شریعت قرآن میں ضمناً آتی ہے۔ اصلاً حضور کی بائیوگرافی اور عرب کی چھٹی صدی عیسوی کے حالات ہیں؟ (صفتین، راولپنڈی)

جواب: میں متعین نہیں کر سکا کہ آپ نے یہ بات ہماری کس بات سے اخذ کی ہے۔ قرآن مجید میں عقائد اور ہماری شریعت دونوں چیزیں بیان ہوئی ہیں اور ان کا بیان ہونا اس کے مقاصد میں سے ہے۔ البتہ ہمارے نزدیک قرآن مجید میں سورتوں کی ترتیب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مختلف مراحل کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اس کے اسی پہلو کو واضح کرنے کے لیے استاد گرامی نے ''سرگزشت پیغمبر'' کی تعبیر اختیار

کی ہے۔اس سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن مجید میں شریعت بیان نہیں ہوئی۔

قرآن کی حیثیت

سوال: آپ کی رائے میں قرآن قیامت یا دینونیت کا آخری حسی ثبوت ہے۔مگر یہ ثبوت اور حجت تو بعد والوں کے لیے ہوسکتا ہے،اس زمانے والوں کے لیے کیسے؟ (صفتین ،راولپنڈی)

جواب :قرآن مجید اپنے زمانے والوں کے لیے بھی ثبوت میسر کرتا ہے۔یہ درست ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سال کی جدو جہد اور کامیابی دعوت کے ابتدائی مخاطبین کے لیے دلیل نہیں بن سکتی تھی لیکن خود عرب کے قرب و جوار میں دوسرے انبیا کی داستانیں بکھری ہوئی تھیں اور قرآن مجید ان کو بار بار پیش کرتا ہے۔دوسرے یہ کہ ''آخری حسی ثبوت'' ہی سے واضح ہے کہ اتمام حجت کی یہ واحد مثال نہیں اور خود حضور کا کردار، بے انتہا محنت، غیر معمولی خلوص اور دعوت کے مراحل میں بتدریج کامیابی کا سفر، یہ امور بھی اہل عرب پر اتمام حجت کا باعث بنے۔

ایصال ثواب

سوال: ایصال ثواب کی حقیقت کیا ہے۔اگر یہ حقیقت ہے تو پھر صدقۂ جاریہ والی حدیث کا مفہوم کیا ہے؟ (صفتین ،راولپنڈی)

جواب :ایصال ثواب ایک خود ساختہ تصور ہے۔اس کی قرآن و حدیث کے نصوص میں کوئی بنیاد نہیں۔آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے،اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔اصل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اجر کمانے کے لیے ایسے امور کی طرف متوجہ کیا ہے جو قائم رہتے ہیں یہاں تک کہ آدمی مر بھی جائے تو اسے اپنے ان اعمال کا اجر ملتا رہتا ہے۔ایصال ثواب اس سے یکسر مختلف ہے۔اس میں کوئی بھی آدمی اپنی کسی نیکی کا اجر مرنے والے کو ہدیہ کرتا ہے اس عمل میں (اس حدیث کے بالکل خلاف) مرنے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

نماز تراویح

سوال: آپ کا نظریہ ہے کہ نماز تراویح دراصل نماز تہجد ہے اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نے اجتماعی عبادت کی شکل دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی دین مکمل ہو گیا۔ ان کے بعد کسی شخص کو یہ اجازت حاصل نہیں ہے کہ وہ دین میں کوئی کمی بیشی کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی آپ کیا توضیح کریں گے؟ اگر یہ بدعت نہیں ہے تو پھر بدعت کی تعریف کیا ہے؟ انفرادی عبادت کو اجتماعی شکل دینے کی ممانعت اسی لیے کی گئی ہے تا کہ فرض اور نوافل کے درمیان فرق قائم رہے؟ (صفتین، راولپنڈی)

جواب: نماز تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اقدام بالکل درست ہے۔ آپ کا یہ خیال درست نہیں کہ نفلی نماز کو اجتماعی شکل میں ادا کرنا ممنوع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرگز کوئی ممنوع کام نہیں کیا۔ یہ تو لوگوں کی غلطی ہے کہ انھوں نے ان کے ایک انتظامی فیصلے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اختیار کر لیا اور اسے ایک مستقل حیثیت دے دی۔ انھوں نے نہ اسے لوگوں کے لیے لازم کیا تھا، نہ اس کے التزام کی ہدایت کی تھی، نہ خود کبھی اس میں شرکت کی تھی۔ لوگ جو عمل مختلف ٹکڑیوں کی صورت میں کر رہے تھے اور اس طرح مسجد میں بدنظمی کا باعث بن رہے تھے، صرف اس عمل کو منضبط کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

تبلیغ دین

سوال: دنیا کے ہر مقصد کے لیے سفر کیا جا سکتا ہے۔ تبلیغ دین کے لیے کیوں نہیں؟ آپ لوگ دوسرے علاقوں میں جا کر تبلیغ کرنے پر تنقید کیوں کرتے ہیں؟

(ڈاکٹر خالد صاحب عاربی، گجرات)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جواب: تبلیغ کے لیے نکلنا غلط ہے، یہ بات ایک خاص سیاق وسباق میں کہی گئی ہے۔ محض اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک آدمی امریکہ جا کر دین کے موضوع پر بات کر سکتا ہے یا نہیں اور اسی طرح آیا کسی آدمی کو اگر امریکہ سے دین پر گفتگو کے لیے بلایا جائے تو اسے جانا چاہیے یا نہیں۔ اور کیا یہ جانا جائز ہے یا ناجائز تو اس کا جواب یہی ہے کہ اس کا جانا درست ہے اور اسے ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تبلیغی جماعت کا تصور تبلیغ، عام آدمی کو مبلغ بنانا، اسے اس کی روزمرہ کی ذمہ داریوں سے کاٹ کر دوسروں کی اصلاح کا مکلّف قرار دینا یہ پورا پیکج محل تنقید ہے۔ لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی ذمہ داری سورۂ توبہ کی آیت ۱۲۲ کے مطابق صرف علما کی ہے علما کے لیے بھی اسی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم ہی کو دعوت کا دائرۂ عمل بنائیں۔ عام آدمی کی ذمہ داری بھی سورۂ عصر میں بیان ہوئی ہے۔ اس میں 'تواصوا' کا لفظ اس ذمہ داری کے حدود کو واضح کرتا ہے۔ جب ہم ''اس میں حرج کیا ہے'' یا ''اس کی یہ

برکت یا فائدہ ہے'' کے اصول پر قرآن مجید کے سکھائے ہوئے راستے سے ہٹتے ہیں تو ہم حقیقت میں بہت سی مضرتوں کا شکار ہوتے اور آخر کار برکات سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

غیر مسلم کا انجام

سوال: کیا تمام غیر مسلم جہنم میں جائیں گے؟ (راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب: یہ تصور مسلمانوں میں بہت عام ہے کہ ہر وہ شخص جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں وہ جہنمی ہے۔ یہ تصور بعض روایات اور قرآن مجید کی آیات کے غلط اطلاق سے پیدا ہوا ہے۔ جہاں تک قرآن و حدیث کا تعلق ہے ان میں وہ لوگ زیر بحث ہیں جن کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بار بار پیش کی گئی۔ انھیں ان کے اعتراضات کے جواب دیے گئے۔ ان کے سامنے خدا کے پیغمبر خود موجود تھے۔ دعوت میں کسی آمیزش کا کوئی امکان نہیں تھا۔ لہٰذا ان کے بارے میں یہ واضح ہو گیا کہ وہ جان بوجھ کر ایمان نہیں لا رہے۔ لہٰذا ان کو بتا دیا گیا کہ وہ اس انکار کے باعث جہنم میں جائیں گے۔ اس تفصیل سے یہ اصول متعین ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی غیر مسلم جہنمی ہوں گے جو جانتے بوجھتے غیر مسلم رہے۔ انھیں کسی عالم دین کی دعوت یا اپنے مطالعے کے نتیجے میں یقین ہو گیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، لیکن وہ اپنے مفادات کی خاطر ایمان نہیں لائے۔ وہ غیر مسلم جن کے سامنے اسلام کی حقیقت واضح ہی نہیں ہے، وہ محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے جہنم میں نہیں جائیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

چند الفاظ کا مفہوم

سوال: ان الفاظ کی مختصر تعریف بتا دیں۔ صبر، اعراض، آخرت، حکمت و بصیرت، دانائی، فطرت، ایمان، مخلوق، خالق، عاجزی، انا، اخلاق، احساس، بے غرضی، خلوص، تقویٰ؟

(راشد امداد، سیالکوٹ)

جواب: صبر، حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے موقف اور طرز عمل پر قائم رہنا ہے۔

اعراض، اس تلخی یا کشمکش سے گریز ہے جو آدمی کو اس کے اصل کام سے ہٹانے والی ہو۔

نصرت، ان امور کو انجام دینا ہے جو دین کی حفاظت، فروغ اور استحکام سے متعلق ہوں۔

حکمت وبصیرت، وہ خداداد صلاحیت ہے جس سے آدمی حق و باطل اور غث وثمین میں امتیاز کرتا ہے۔

دانائی، حکمت وبصیرت کا مترادف ہے۔

فطرت، کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک انگریزی لفظ Nature کے مترادف کے طور پر۔ اس صورت میں اس سے طبعی قوانین مراد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ انسانوں کے حوالے سے استعمال ہوا ہے۔ اور وہاں اس سے وہ قوانین مراد ہیں جن پر انسان کی ''شخصیت'' استوار ہوتی ہے۔

ایمان، کسی چیز کو حق ماننے کا وہ درجہ ہے جب آدمی دل کی گہرائیوں سے کسی بات کا یقین کر لے اور اس حقیقت کے معاملے میں عقیدت اور خود سپردگی کی کیفیت سے سرشار ہو جائے۔

مخلوق، ہر وہ چیز جو کسی کی بنائی ہوئی ہو۔

خالق، وہ جس نے کسی شے کو تخلیق کیا ہو۔ خدا کے حوالے سے اس سے مراد وہ ہستی ہے جس کا خالق کوئی نہ ہو۔

عاجزی، دل کی وہ حالت جب وہ خدا کی عظمت وجلال اور اپنی احتیاج، بے مائگی اور بے بسی کے احساس سے لبریز ہو۔

انا، اپنی عظمت کے احساس کی وہ صورت جب آدمی دوسروں کو اپنے سے کسی بھی پہلو سے کم تر خیال کرنے لگے۔

اخلاق، ایک انسان کا دوسرے انسان سے برتاؤ میں رویہ۔

احساس، لطیف جذبات اور کیفیات کا تجربہ۔

بے غرضی، جب آدمی ہر عمل میں صرف خدا کی رضا کو مقصود بنائے۔

خلوص، جب آدمی ہر مفاد کی نفی کر کے صرف جنت پانے کے لیے کوئی اچھا کام کرے۔

تقویٰ، اپنے انجام کے بارے میں سنجیدہ ہونا، یہی چیز جب آخرت سے متعلق ہوتی ہے تو آدمی پورے دین کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ دین پر صحیح عمل تقویٰ قرار پاتا ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد بلال

''اقوال حکمت''

مصنف: مولانا وحیدالدین خان

صفحات: ۱۹۶

قیمت: ۳۰ روپے

ناشر: محمد احسن تہامی، دارالتذکیر رحمٰن مارکیٹ غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ فون: ۷۲۳۱۱۹

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سائنسی ترقی کے باعث بے شمار چیزیں وجود میں آ چکی ہیں۔ ان چیزوں کا اصل مقصد تو انسان کی زندگی کو پرآسایش بنانا ہے مگر یہ چیزیں دنیوی رتبے کا معیار بھی بن گئی ہیں۔ چنانچہ انسان شب و روز انھی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے سرگرداں رہتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ ایک اور دنیا بھی ہے جس میں ایک دن اس نے منتقل ہونا ہے اور اُس دنیا میں بھی انسانوں کے کچھ رتبے ہیں جنھیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے بلکہ حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے۔

ایسے لوگوں کا یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ دین و دانش کی باتوں کے لیے وقت نہیں نکال پاتے یا بہت کم وقت نکال پاتے ہیں۔ مولانا وحیدالدین عصر حاضر کے تقاضوں اور مسائل سے خوب واقف ہیں۔ کم سے کم الفاظ میں دوسروں تک اپنی بات پہنچانے کی کوش کرتے ہیں۔ چونکہ مولانا دریا کو کوزے میں بند کرنے کا فن بہت اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے وہ اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب ہو جاتے ہیں۔ زیرتبصرہ کتاب میں وہ اپنے اس فن کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

عالم کا پروردگار مایوسی کو کفر قرار دیتا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مایوس لوگوں کے دلوں میں امید پیدا کرتی ہے۔ گرے ہوئے لوگوں کو اٹھانے کا باعث بنتی ہے۔ بالفاظ دیگر

یہ کتاب کسی خزاں رسیدہ شاخ پر پھوٹتی ہوئی کونپل کی طرح دیکھنے والے کو امید کا پیغام دیتی ہے۔

اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا نے اپنے ان سیاسی نظریات کو بیان نہیں کیا اور سیاسی و مذہبی شخصیات پر وہ غیر متوازن تنقید بھی نہیں کی جو وہ اکثر کرتے ہیں اور اپنے دعوتی کام کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ جنھوں نے دعوت کے نقطۂ نظر سے مولانا کی کتابیں دوسروں کو دینی بند کر دی ہیں وہ یہ کتاب دین و دانش کے فروغ کے لیے بلا تامل دوسروں کو دے سکتے ہیں۔

ذیل میں اس کتاب کے چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

''جو شخص اپنے آپ پر فتح حاصل کر لے اس کے لیے دوسروں پر فتح حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔'' ..... ''منفی نفسیات میں جینے والا انسان تاریخ کا معمول ہوتا ہے اور ایجابی نفسیات میں جینے والا انسان تاریخ کا عامل ہوتا ہے۔'' ..... ''اپنے حق سے زیادہ چاہنا اپنے آپ کو اپنے واقعی حق سے محروم کر لینا ہے۔'' ..... ''سب کچھ کھونے کے بعد بھی اگر آپ کے اندر حوصلہ باقی ہے تو سمجھ لیجیے کہ ابھی آپ نے کچھ نہیں کھویا۔'' ..... ''ہر آدمی اپنے گزشتہ کل کو کھو چکا ہے کامیاب وہ ہے جو اپنے آج کو نہ کھوئے۔'' ..... ''میں نے وقت کو برباد کیا تھا اب وقت خود مجھ کو برباد کر رہا ہے۔'' ..... ''مواقع نکل جاتے ہیں مگر ـــــــ مواقع ختم نہیں ہوتے۔'' ..... ''نہ گرنا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ تم گرو اور پھر از سر نو اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔'' ..... ''جلدی نہ کرو کیوں کہ تم جتنی جلدی کرو گے اتنی ہی زیادہ دیر لگے گی۔'' ..... ''تدبیری واپسی منصوبہ بن اقدام کا پہلا مرحلہ ہے۔'' ..... ''عقل مند وہ ہے جو دوسروں کی غلطیوں کو بھول جائے اور اپنی غلطیوں کو ہمیشہ یاد رکھے۔'' ..... ''ناکافی تیاری کے ساتھ کیا ہوا اقدام مسئلہ کو پہلے سے زیادہ سخت بنا دیتا ہے۔'' ..... ''تجربہ وہ ہے جو دوسروں سے سیکھا جائے کیوں کہ اپنا تجربہ تو ہمیشہ نقصان کی قیمت پر حاصل ہوتا ہے۔'' ..... ''کوئی بڑا کام صرف وہ شخص کرتا ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا کام کرنے پر راضی کر لے۔'' ..... ''جو لوگ چھوٹی چیزوں میں الجھے ہوئے ہوں وہ صرف اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں کوئی بڑی چیز نہ پا سکے۔'' ..... ''کبھی جاننا اس کا نام ہوتا ہے کہ آدمی یہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔'' ..... ''بزدلی دکھا کر چپ ہونے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی بزدلی دکھائے بغیر چپ ہو جائے۔'' ..... ''خربوزہ اگر چھری سے ٹکرائے تو یہ خودکشی کا ایک فعل ہوگا نہ کہ کوئی مجاہدانہ اقدام۔'' ..... ''لوگ صرف یہ جانتے ہیں کہ ان کو کیا بولنا ہے مگر عقل مند آدمی وہ ہے جو یہ بھی جانے کہ اس کو کیا بولنا نہیں ہے۔'' .....

''عقل مند آدمی ہر چیز کی امید اپنے آپ سے کرتا ہے اور بیوقوف آدمی ہر چیز کی امید دوسروں سے۔'' .....''اگر آپ عمل میں کم ہوں تو زیادہ الفاظ بول کر آپ اس کی تلافی نہیں کر سکتے۔'' .....''بعض حالات میں عمل کرنا یہ ہوتا ہے کہ آدمی کوئی عمل ہی نہ کرے۔'' .....''محرومی آپ کے لیے ترقی کا زینہ ہے اگر وہ آپ کی دبی ہوئی قوتوں کو جگانے والی ثابت ہو۔'' .....''انتقام لینے سے پہلے سوچ لو کہ انتقام کا بھی انتقام لیا جائے گا۔'' .....''اگر آپ دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو پہلے ناکامی کا استقبال کرنے کا حوصلہ پیدا کیجیے۔'' .....''مشکل ایسا عذر ہے جس کو تاریخ کبھی قبول نہیں کرتی۔'' .....''صبر بے عملی نہیں صبر منصوبہ بند عمل کا دوسرا نام ہے۔'' .....''پانے کے لیے ہمیشہ کھونا پڑتا ہے لوگ کھونے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس لیے اکثر لوگ پانے والے بھی نہیں بنتے۔'' ..... ''برداشت بزدلی نہیں برداشت زندگی کا ایک اصول ہے۔'' .....''کامیابی کا راز یہ ہے کہ آدمی اپنی ناکامی کے راز کو جان لے۔'' .....''ناکامی کے اسباب ہمیشہ آدمی کے اپنے اندر ہوتے ہیں مگر اکثر وہ ان کو دوسروں کے اندر تلاش کرنے لگتا ہے۔'' .....''دوسروں کی شکایت کرنا اکثر حالات میں صرف اپنی نااہلی کا اعتراف ہوتا ہے۔'' .....''عام لوگ اپنی بڑائی میں جیتے ہیں مومن وہ ہے جو خدا کی بڑائی میں جینے لگے۔'' .....''اچھے مزاج کی بہترین علامت یہ ہے کہ آدمی برے مزاج کو برداشت کرنے لگے۔'' .....''معاملات میں مشورہ کیجیے مشورہ کرنا اپنے آپ کو نقصان سے بچانا ہے۔'' ..... ''غلطی پر سرکشی کا اضافہ نہ کیجیے کیوں کہ خدا کے یہاں غلطی قابل معافی ہے مگر سرکشی قابل معافی نہیں۔'' .....''حسد اور گھمنڈ جب آدمی کے اندر داخل ہوتے ہیں تو وہ عقل کو باہر کر دیتے ہیں۔'' .....''دوسروں سے نہ لڑنے کے لیے اپنے آپ سے لڑنا پڑتا ہے۔'' .....''اتحاد کیا ہے اختلاف کے باوجود متحد ہو کر رہنا۔'' .....''جھوٹا انسان طاقت کے آگے جھکتا ہے سچا انسان وہ ہے جو دلیل کے آگے جھک جائے۔'' .....''آدمی کے بے عیب ہونے کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ دوسروں کے اندر عیب نہ تلاش کرتا ہو۔'' .....''جو آدمی کل کے دن خدا کی پکڑ سے نہ ڈرتا ہو آپ آج بھی اس کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔'' .....''طاقت سے دشمن کے اوپر فتح پانا آدھی فتح ہے اور محبت سے دشمن کے اوپر فتح پانا پوری فتح ہے۔''

''اقوال حکمت'' ایک جیبی سائز کتاب ہے۔ کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ پروف ریڈنگ معیاری ہے۔ اور ٹائیٹل سادہ مگر پروقار ہے۔

---

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

''دعوت ایمان''

مصنف: محمد ندیم اعظم

طابع: اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ،۱۳۔ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

قیمت: ۴۰ روپے

موجودہ زمانے میں صحیح ایمان جنس نایاب بنتا جا رہا ہے۔ مسلمان خدا اور رسول کا نام لیتے ہیں لیکن ان کی زندگیاں اسی دنیا کے مفادات کے گرد گھوم رہی ہیں۔ آخرت کی تیاری، دین کا صحیح فہم اور خدا کی رضا کے بجائے معیار زندگی کی بہتری، آسایشوں کی دست یابی اور لذات وشہوات کی تکمیل تمام مساعی کا ہدف بنی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ لوگوں کو دین کی خالص تعلیمات کی طرف راغب کیا جائے۔ موت کے بعد پیش آنے والے مسئلے کی سنگینی کو ان کے سامنے واضح کیا جائے۔ متاع دنیا کے دھوکا اور فریب ہونے کا پہلو ان کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔

دین کے بہت سے خدام یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ محمد ندیم اعظم کی کتاب ''دعوت ایمان'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں مرتب کے پیش نظر دین کے دو بنیادی عقائد وجود باری تعالیٰ اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دلائل کے ساتھ اثبات ہے۔ وجود باری کے حوالے سے مصنف نے کائنات کی تخلیق کے بے عیب ہونے کو بنیادی استدلال کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس معاملے میں انھوں نے جدید سائنسی معلومات سے بطور خاص مدد لی ہے۔ رسالت محمدی کے ضمن میں انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیاں، قرآن مجید کے خدا کا کلام ہونے کے داخلی و خارجی شواہد اور خود قرآن مجید میں موجود مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں درج کی ہیں۔ گویا انھوں نے وجود باری اور رسالت محمدی کے بارے میں اپنے مخاطب کے

ذہن میں موجود شکوک وشبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس معاملے میں انھوں نے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کیا۔ اس وجہ سے یہ کتاب زیادہ پڑھے لکھے طبقے کے لیے وجۂ تشفی نہیں ہو سکتی۔

طباعت کے پہلو سے کتاب مناسب درجے کی ہے اور قیمت بھی موزوں ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ضیاءالدین نعیم

حمد رب ذوالجلال

مسلماں ہوں مرا اِس بات پر ایمان ہے یا رب
کہ میرے فائدے میں تیرا ہر فرمان ہے یارب

بہک جانے کا ایک اِک گام پر امکان ہے یارب
ضرورت تیری رحمت کی، مجھے ہر آن ہے یارب

بظاہر راستہ تیرا بہت دشوار لگتا ہے !
مگر جو چل پڑے، اُس کے لیے آسان ہے یارب

تو خود ظلمت سے لے آتا ہے اُس کو نور کی جانب
وہ جس کے دل میں تیری ذات پر ایمان ہے یارب

حقیقت میں مسلماں ہے تو ہے عزت نصیب اُس کا
غلط ہو ہی نہیں سکتا ، ترا فرمان ہے یارب !

نہیں تیری اطاعت صرف نافع آخرت ہی میں !
کہ دنیا میں بھی عظمت کا یہی سامان ہے یارب

مصیبت کوئی کیوں آئے؟ پریشاں آدمی کیوں ہو؟
خطا ہے کچھ مری ! میرا کوئی نسیان ہے یارب !

انا کو درمیاں اللہ کے اور اپنے لے آنا ؟
'معاذ اللہ' انسان کس قدر نادان ہے یارب

نعیمِ عاجز و بے مایہ پر اتنا کرم تیرا
نہایت مہربانی ہے ، بہت احسان ہے یارب

---

www.javedahmadghamidi.com

جاوید

علم و نظر سے ماورا اپنے حریم ذات میں ۔۔۔ علم و نظر کے روبرو آئنۂ صفات میں

جلوہ نما ہے روز و شب، ایک نئی ادا کے ساتھ ۔۔۔ تجھ کو جہاں بھی دیکھیے عالم شش جہات میں

تیری کتاب کے سوا، دیکھ چکا میں شرق و غرب ۔۔۔ کچھ بھی ٹھہر نہیں سکا سیل تغیرات میں

عقل ہے آج بھی اگر اپنے جنوں کی نقش بند ۔۔۔ عشق بھی تو اسیر ہے اپنے ہی واردات میں

دستِ فرنگ میں ترے مینا و جام واژگوں ۔۔۔ کیا نہیں اور مے کہیں مے کدۂ حیات میں

تیرے کلام میں کوئی حرف کہاں تھا پیچ کا ۔۔۔ میں ہی الجھ کے رہ گیا اپنے توہمات میں

اترے ہیں آسماں سے آج قافلہ ہاے رنگ و بو
تیرے کرم سے پے بہ پے میرے تخیلات میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com